قرآن کریم اور سُنّت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۹ شمارہ: ۱۰

شوال المکرم: ۱۴۴۷ھ - اپریل: ۲۰۲۶ء

قیمت فی شمارہ: ۷۰ روپے، زرِ سالانہ: ۸۰۰ روپے

مُدیر / مُدیر مسئول

مولانا سید سُلیمان یوسف بنوری

نائب مُدیر

مولانا سید احمد یوسف بنوری

مُدیر مُعاون

مولانا محمد اعجاز مصطفی

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ’’بینات‘‘ جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

کراچی، پوسٹ کوڈ: 74800 پوسٹ بکس نمبر: 3465

فون دفتر ’’بینات‘‘: 021-34927233

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

یورپ اور امریکی ممالک، وغیرہ : 50 امریکی ڈالر

عرب اور ایشیائی ممالک، وغیرہ: 40 امریکی ڈالر

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر: 0101900-397-7 برانچ کوڈ: 00816

مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

وضاحت

ماہنامہ ’’بینات‘‘ میں اشتہارات کی اشاعت کا مقصد تصدیق اور سفارش نہیں ہے۔ ادارہ معاملات کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147

فیکس: 92-21-34919531 +

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری **مطبع:** شفق پرنٹنگ پریس **طابع:** حافظ ثناء اللہ واحدی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

پاکستان کے ساتھ احسان فراموشی کیوں؟!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

مکاتیبِ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ		
بنام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ	۸	انتخاب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
’’نفس‘‘ کی اصلاح کی ضرورت	۱۱	مولانا محمد راشد شفیع
مسلمانوں کی فتوحات کا راز ... غیرمسلم مفکرین کی نظر میں	۱۵	مولانا محمد محمود حسن
سوال (بھیک مانگنے) کی شرعی حیثیت	۲۵	مفتی عبید الرحمٰن
قدیم کتب خانوں کی تاریخ اور جدید ڈیجیٹل نظام	۳۸	مولانا ارشاد احمد سالارزئی
زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	۴۹	مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

یادِ رفتگاں

تواریخِ وفات حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ	۵۲	مولانا محمد عمران ولی درویش
میرے والد گرامی مولانا امین الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ	۵۳	مولوی فضل الرحمٰن

دار الافتاء

رمضان کے قضا روزوں سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنا	۵۶	
شوال کے چھ روزوں میں قضاء رمضان اور شوال کے روزے دونوں کی نیت کرنا	۵۷	ادارہ
ٹیوبولر احرام پہننے کا حکم	۵۸	

نقد ونظر

سیرتِ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (اسباق کی تقسیم اور مشقوں کے ساتھ)	۶۲	ادارہ
شعورِ دین	۶۳	

پاکستان کے ساتھ احسان فراموشی کیوں؟!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی!

جس طرح قرآن کریم کی دولت مسلمانوں کو ماہِ رمضان میں نصیب ہوئی تھی، اسی طرح مملکتِ خداداد پاکستان کی عظیم نعمت بھی ماہِ رمضان کی ستائیسویں تاریخ کو حاصل ہوئی تھی۔ چوں کہ اس کی بنیاد اسلامی نظریے اور کلمہ طیبہ ''لا إله إلا الله'' پر تھی، اس لیے روزِ اول سے اس کا وجود اسلام دشمن طاقتوں کی نظر میں کھٹکنے لگا اور وہ اسے کمزور کرنے کی سازشوں میں جت گئے۔ ۱۹۷۱ء میں یہ ملک دولخت ہوا تو دشمنوں کے گھروں میں خوشیوں کے شادیانے بجائے گئے اور یہ کہا جانے لگا کہ اب یہ ملک زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ پائے گا، لیکن ''جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے'' کے مصداق پاکستان آج تک الحمد للہ! قائم ہے اور ان شاء اللہ! قیامت تک قائم ودائم رہے گا۔

پاکستان اپنے قیام کے ساتھ ہی دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں ہمیشہ آواز اٹھاتا آیا ہے۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح ؒ نے فلسطین پر اسرائیل کے قبضے کو ناجائز ٹھہرایا، عرب اسرائیل جنگ میں پاکستان نے سفارتی سطح پر فلسطین کے حق میں آواز اُٹھانے کے ساتھ ساتھ جنگ میں بھی عملاً حصہ لیا اور عرب افواج کی مدد کی۔ بوسنیا اور چیچنیا میں سرب اور روسی افواج کے مظالم کے خلاف پاکستان کے حکمرانوں نے عالمی سطح پر صدائے احتجاج بلند کی اور وہاں اپنی بساط بھر رفاہی خدمات میں بھی حصہ لیا۔ افغانستان پر جب روس حملہ

آور ہوا تو پاکستان ہی تھا، جس نے یہ جنگ اگلے محاذوں پر لڑی اور روس کو مار بھگانے میں افغانستان کا بھرپور ساتھ دیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے پوری دنیا تسلیم کرتی ہے، روس کے جانے کے بعد جب افغان قوم باہم اختلاف وانتشار کا شکار ہوئی، تو ان کے مابین ہر ممکن سطح پر مصالحت کی بارہا کوشش کی، ملا عمر رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اُٹھنے والی طالبان تحریک نے جیسے ہی افغانستان کے بعض علاقوں میں امن قائم کیا تو ریاستِ پاکستان اور اہالیانِ پاکستان نے ہر اعتبار سے ان کے موقف کی تائید کی اور آج تک کرتے آئے ہیں۔ ریاستِ پاکستان اور اہلِ پاکستان ہمیشہ سے ہی پُرامن مستحکم اور خوشحال افغانستان کے قیام کے خواہاں رہے ہیں، طالبان کی سابقہ حکومت کے قیام کے بعد پاکستان نے جس طرح ان کا ساتھ دیا یہ بھی تاریخی حقیقت ہے، بعد ازاں افغانستان پر امریکی حملے کے وقت اگرچہ اس وقت کے پاکستانی پالیسی سازوں پر نکتہ چینی کی جاسکتی ہے، لیکن اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ افغان قیادت کو اگر کہیں جائے پناہ ملی تو وہ یہی ملک پاکستان تھا، جس نے پڑوسی ہونے کا حق ادا کیا، اور امریکا کے خلاف افغان قوم کی تحریکِ مزاحمت کی ہمیشہ تائید کی، بالآخر امریکا کے انخلا اور امریکا وافغان قیادت کے درمیان ثالثی اور معاہدے کی تکمیل سے لے کر مابعد کے مراحل میں جو کردار ادا کیا وہ پوری دنیا کے سامنے ہے۔

اس وقت دنیا کے حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ ۲۰۲۳ء میں اسرائیل پر طوفان الاقصیٰ شروع ہونے کے بعد شام میں بشارالاسد کی طویل آمریت کی شبِ تاریک کا خاتمہ ہوا۔ طوفان الاقصیٰ شروع ہونے کے بعد پاکستان ایک مرتبہ پھر فلسطین کے مظلوموں کی حمایت میں کھڑا ہوا اور ان کے حق میں عالمی سطح پر بھرپور اور مؤثر آواز اُٹھائی، جس کے نتیجے میں یہود وہنود نے سازش کرکے مئی ۲۰۲۵ء میں پاکستان پر حملہ کردیا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے افواجِ پاکستان نے بھارت پر ہر اعتبار سے برتری ثابت کردکھائی تھی۔ بنگلہ دیش میں طویل عرصے سے قائم ایک جابر حکومت کے عروج کو بھی زوال دیکھنا پڑا اور حال ہی میں وہاں نئی منتخب حکومت کے ساتھ پاکستان کے اچھے تعلقات قائم ہیں۔ یہ واقعات پاکستان کے حق میں مثبت اشارے اور عالمی سطح پر اس کے قائدانہ کردار کی طرف ایک قدم تھے۔ دشمنانِ پاکستان کو یہ استحکام اور ترقی ایک آنکھ نہ بھائی، اس دوران پاکستان کی مغربی سرحد سے دراندازی کا سلسلہ شروع ہوگیا اور پاکستان کے اندر کالعدم ٹی ٹی پی کے حملے بڑھ گئے، جسے مبینہ طور پر موجودہ افغان رجیم کی پشت پناہی حاصل ہے۔ پاکستان کی جانب سے صلح اور مذاکرات کی دوبار بھرپور کوششیں کی جاچکی ہیں، پہلے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اور پھر حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم نے بنفسِ نفیس افغانستان تشریف لے جاکر طالبان قیادت کو پاکستان کی تشویش سے آگاہ کیا اور انھیں ان کے ازالہ کے لیے قائل کرنے کی کوشش کی۔ افغان طالبان اگرچہ بظاہر کالعدم ٹی ٹی پی سے اظہارِ براءت کرتے ہیں، لیکن افغانستان میں قائم ان کے روابط اور ان کے کیمپوں کا قیام

ایک حقیقت ہے، جسے جھٹلا نہیں سکتے۔ پاکستان میں بڑھتی دہشت گردی سے نمٹنے کے لیے بالآخر پاکستان کی جانب سے کارروائی کی گئی اور افغانستان میں موجود ان کے اڈوں کو نشانہ بنایا گیا۔

یہ بہت الم ناک صورتِ حال ہے کہ دو اسلامی بھائی آپس میں لڑ پڑیں۔ ایک طرف یہود و نصاریٰ متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، کئی ممالک کو تخت و تاراج کرنے کے بعد ان کی تازہ جارحیت کا شکار اب ایران بن چکا ہے، جس کے بعد ان کے ناپاک عزائم کی اگلی منزل خاکم بدہن! کہیں پاکستان ہی نہ ہو، اور دوسری جانب پاکستان اور موجودہ افغان رجیم کو آپس میں اُلجھا دیا گیا ہے۔ دیکھا جائے تو یہ بھارت و اسرائیل کی اس منصوبہ بندی کی پیش قدمی ہے جو حال ہی میں بھارتی و اسرائیلی حکمرانوں کی ملاقات کی صورت میں کی گئی۔ بھارت پاکستان کے ہاتھوں گزشتہ جنگ میں لگے زخموں کو بھلا نہیں پا رہا ہے اور اسرائیل بھی فلسطینی مجاہدین کی کاری ضربوں سے زخمی اور باؤلا ہو چکا ہے، اب دونوں نے مل کر پاکستان اور افغانستان کو باہم الجھانے کے لیے یہ جال بُنا ہے؛ تاکہ ایران کے راستے سے پاکستان پر اسرائیل حملہ آور ہو اور مشرقی سرحد سے بھارت اسے کمک فراہم کرے۔ لیکن ان شاء اللہ! ان کے یہ عزائم ناکام ہوں گے اور یہود و ہنود پہلے کی طرح منہ کی کھائیں گے، کیوں کہ:

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زَن
پھونکوں سے یہ چراغ بُجھایا نہ جائے گا

مسلمانوں کو ''الكفر ملة واحدة'' کے مقابلے پر ''المسلم أخو المسلم'' کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً موجودہ افغان رجیم کو نہ بھولنا چاہیے کہ پاکستان آپ کا وہی بھائی ہے جس نے ہمیشہ آپ کے زخموں پر مرہم رکھا، امداد فراہم کرنے سے مہاجرین کو اپنے وطن میں آباد کرنے تک آپ کے اس اسلامی بھائی نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور اسی وجہ سے ہزاروں پاکستانی علماء و عوام نے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا، جس کے نتیجے میں پاکستان میں بتدریج بدامنی، مہنگائی اور عدمِ استحکام بڑھتا گیا، اور اسی وجہ سے بیرون ملک ہر جگہ پاکستان کو بھی مشکوک نظروں سے دیکھا گیا۔ اور دیگر بہت سی خرافات بھی اسی کا تحفہ ہیں، جنھیں بیرونی دنیا میں پاکستانیوں کے ساتھ جوڑا گیا۔ موجودہ طالبان قیادت کے ۱۵/ اگست ۲۰۲۱ء کو برسرِ اقتدار آنے پر پاکستان نے تو خیر مقدم کیا تھا، اور یہ توقع تھی کہ افغان قوم حالات سے سیکھ کر اب اپنی ترقی و خوش حالی اور اپنے نظم کے استحکام پر توجہ دے گی اور معاہدے کے مطابق اقتدار کی منتقلی کا عمل انجام پذیر ہوگا۔

بہر حال! پاکستان ہمارا وطن ہے، اسے ہمارے بزرگوں نے اپنے خون سے سینچا ہے، کوئی بھی پاکستانی اپنے ملک کی سالمیت پر سمجھوتا نہیں کر سکتا۔ پاکستان اور موجودہ افغان رجیم کی صورتِ حال کی تصویر اور منظر کشی ایک عرب شاعر کے الفاظ میں کچھ اس طرح ہے، قال شهل بن شيبان الزماني:

صَفَحْنَا عَنْ بَنِيْ ذُهْلٍ وَقُلْنَا القَوْمُ إِخْوَانُ عَسَى الْاَيَّامُ اَنْ يُرْجِعْنَ قَوْمًا كَالَّذِيْ كَانُوْا

فَلَمَّا صَرَّحَ الشَّرُّ فَاَمْسٰى وَهْوَ عُرْيَانُ وَلَمْ يَبْقَ سِوَى الْعُدْوَانِ دِنَّاهُمْ كَمَا دَانُوْا

مَشَيْنَا مِشْيَةَ اللَّيْثِ غَدَا وَاللَّيْثُ غَضْبَانُ بِضَرْبٍ فِيْهِ تَوْهِيْنٌ وَتَخْضِيْعٌ وَإِقْرَانُ

وَطَعْنٍ كَفَمِ الزِّقِّ إِذَا وَالزِّقُّ مَلْآنُ وَبَعْضُ الحِلْمِ عِنْدَ الجَهْلِ لِلذِّلَّةِ إِذْعَانُ

وَفِي الشَّرِّ نَجَاةٌ حِيْنَ لَا يُنْجِيْكَ إِحْسَانُ

(شرح ديوان الحماسة للمرزوقي ۱ ـ ۳۲)

ترجمہ:’’ہم نے بنی ذُہل سے درگزر کیا اور کہا کہ یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں۔شاید آنے والے دن انہیں دوبارہ ویسا ہی بنادیں جیسے وہ پہلے تھے۔لیکن جب شر اور دشمنی کھل کر سامنے آگئی اور وہ بالکل عیاں ہوگئی، اور دشمنی کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو ہم نے بھی انہیں ویسا ہی بدلہ دیا جیسا انہوں نے کیا تھا۔ہم شیر کی طرح چل پڑے جیسے شیر غصے میں ہوتا ہے۔ایسی ضربیں لگائیں جن میں دشمن کی کمزوری، اس کی ذلت اور اسے زیر کرنا تھا۔اور ایسے نیزے مارے جیسے بھرا ہوا مشکیزہ پھٹ جائے۔اور کبھی کبھی جہالت کے مقابلے میں زیادہ حلم (بردباری) ذلت قبول کرنے کے مترادف ہوجاتا ہے۔اور بعض اوقات برائی (جنگ) ہی میں نجات ہوتی ہے، جب احسان بھی تمہیں بچا نہیں سکتا۔‘‘

جن لوگوں کی آشیر باد سے پاکستان کے عوام اور افواجِ پاکستان کونشانہ بنایا جائے گا،مسجدوں اور امام بارگاہوں میں دھماکے کیے جائیں گے، سیاسی و مذہبی شخصیات کو چُن چُن کر شہید کیا جائے گا تو پاکستان پورا حق رکھتا ہے کہ ان حملوں کا جواب دے اور اپنے بھائی کو جھنجھوڑے کہ کل تمہارے مشکل وقت میں بھی ہم ہی تمہارے ساتھ کھڑے تھے، نہ کہ امریکا، اسرائیل اور بھارت، اور آئندہ کل بھی ہم ہی تمہارے کام آئیں گے نہ کہ تمہارے یہ نئے نئے دوست، جن سے آج تم محبت کی پینگیں بڑھا رہے ہو، اور ان کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنے حقیقی محسن اور خیر خواہ کو زک پہنچانے کا سبب بن رہے ہو۔ بہرحال! پاکستان اور افغانستان کے کشیدہ حالات کو درست کرنے کے لیے قرآن کریم رہنمائی کر رہا ہے کہ:

’’وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ‘‘ (الحجرات:۹،۱۰)

ترجمہ:’’اور اگر مومنوں کے دوگروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادیا کرو، پھر اگر ان

میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، پھر اگر وہ لوٹ آئے تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

چنانچہ اس بات کی ضرورت ہے کہ جنگ سے گریز کرتے ہوئے دونوں مسلم ممالک کے درمیان صلح کی راہ نکالی جائے اور دونوں ملکوں کی مدبر سیاسی قیادت اور بااختیار اربابِ حکومت سر جوڑ کر بیٹھیں، تاکہ موجودہ افغان رجیم کی جانب سے پاکستان کے اندر اس کی دراندازی کا سلسلہ بند ہو اور دونوں ملکوں کے عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی مدد ونصرت کے بعد پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے والی تمام سیاسی وفوجی قیادت، بالخصوص ایٹمی سائنس دانوں کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہے، جنھوں نے مشکل حالات کا مقابلہ کرکے مادرِ وطن کو ناقابلِ تسخیر بنایا۔ آج ان ہی کی محنت کا ثمر ہے کہ کوئی دشمن اس ملک کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ آج ہم اس ملک میں محفوظ ہیں، ہماری سرحدوں پر ہمارے فوجی جوانوں کا کڑا پہرا ہے، ہماری فضائیہ، نیوی اور برّی افواج جذبۂ شہادت سے معمور اور سرشار ہیں، جن کی بہادری اور شجاعت ہی کی بنا پر ہمارا دشمن ہماری انھیں افواج کے ہاتھوں کئی بار منہ کی کھا چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سفارتی سطح پر بھی ہماری حکومت آگے بڑھ رہی ہے اور کامیابیاں سمیٹ رہی ہے۔ سعودی عرب سے پاکستان کا دفاعی معاہدہ ہو چکا ہے، ایران پر امریکی حملے کے بعد پاکستان ہی نے سعودی عرب اور ایران کو باہمی چپقلش سے محفوظ رکھا ہوا ہے، غرضے کہ یہ تمام تر سفارتی اور دفاعی کامیابیاں اس وقت ہمارے وطن کے ماتھے کا جھومر ہیں۔ خدا اِسے ہمیشہ سلامت رکھے، آمین!

نورِ حق شمعِ الٰہی کو بُجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خُدا اُسے مٹا سکتا ہے کون

اللہ تعالیٰ عالَمِ اسلام سمیت ہمارے ملک کی حفاظت فرمائے اور ہمیں باہمی جنگوں کی بجائے کفر کے مقابلے پر متحد فرمائے، ہماری صفوں میں گھسے ہوئے دین دشمن اور وطن دشمن غداروں کی سازشیں ناکام بنائے، پاکستان دشمنوں کو باہم دست وگریبان کرکے ان کی طاقت کو پاش پاش کرے اور ملت اسلامیہ کو ہر جگہ سرخرو فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین!

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ أجمعین!

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیبِ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ

بنام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

انتخاب وترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بنام حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ

برادرِ گرامی قدر محترم، وفّقه الله لكلّ خير وسعادة!

تحيّةً وسلامًا! دونوں نامہ ہائے الطاف نے ممنون ومسرور کیا، روغنِ زیتون بھی پہنچ گیا، نسخہ کے حصول میں جو توجہ وجد وجہد کی سب کے لیے دست بدعا ہوں، والله يجز يكم خيرا.

طبیعت جیسے آپ نے دیکھی ہے ویسی ہے، کسی کسی نماز باجماعت میں شریک ہوتا ہوں، البتہ تین وقت (بعد الظہر، بعد العشاء، صباحًا) ۶ گھنٹے (صحیح) بخاری پڑھاتا ہوں، دوسرے مشاغل بھی ہیں، عاجز آ گیا ہوں، نہ معلوم کہ دیارِ حرمین کا سفر مقدر رہے یا نہیں، جیسے آج کل ہوں اس میں مشکل ہے۔ دینی حالات روز بروز بد سے بدتر ہوتے جاتے ہیں، روضۂ اقدس پر خصوصی دعا کرتے رہیں، میرا سلام یعنی ''خادم المدرسة العربية الإسلامية'' کا سلام پہنچا دیں، اور اگر ہو سکے تو اپنا سلام عرض کرنے کے بعد میرا سلام بھی پیش کیا کریں۔ دوسرا خط مولانا منظور حسین صاحب کو دے دیں۔ آپ کا ٹیپ ریکارڈ دو واسطوں کے بعد میں نے خرید لیا ہے، مجھے ضرورت تھی۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفاعنہ

۱۵؍رجب سنہ ۱۳۸۸ھ

۱۱ / ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۰ھ [۱]

رفیقِ عزیز، أخي في الله حبیب الله، أحبه الله وأعزّه!

تحیة طیّبة ودعواتِ صالحہ، برادرِ کریم کا مکتوب مسرت وشادمانی کے ساتھ وصول کیا، اور اس میں مذکور استفسار ملاحظہ کرلیا۔ اس بارے میں میرا جواب یہ ہے کہ آپ کو کسی عنوان سے جامعہ (اسلامیہ، مدینہ منورہ) میں مزید قیام کی ضرورت نہیں رہی، اگر مزید حصولِ علم مقصود ہوتا تو اس کے لیے قاہرہ (مصر) زیادہ مناسب تھا۔ تخصص کی کسی شاخ میں نام درج کرنے کے لیے حاضری شرط ہوگی، پھر آخر میں مقالہ پیش کرنے کے لیے بھی حاضری ضروری ہوگی، لیکن آپ کو اس کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ آپ کے علم کا مقصود آخرت کے لیے علم اور دین کی خدمت ہے، دنیا مقصد نہیں، جبکہ ان رسمی ڈگریوں کی ضرورت اس دنیا میں دنیا کمانے کے لیے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں، اور دنیاوی سامان بھی آخرت میں تھوڑا ہوگا۔ بہرکیف! ہم انتہائی صبر کے ساتھ آپ کی آمد کے منتظر ہیں۔

گھر والوں کو ہم ہسپتال سے لے آئے ہیں، لیکن وہ صاحبِ فراش ہیں، کمر کی تکلیف کی بنا پر کروٹ بدلنا بھی ممکن نہیں، نیک دعاؤں کے متمنی ہیں، آپ کا بہت شکریہ!

استاذ انعام کریم پہنچ گئے ہیں، مدرسہ میں ہی مقیم ہیں، نیز استاذ محمد بن سلیمان بھی، وہ بھی رات کو مستقل مدرسہ میں ہوتے ہیں۔ اوپر کی درس گاہوں کی تعمیر مکمل ہوگئی اور ان میں پڑھائی منتقل ہوچکی ہے، دیگر احوال آپ کے علم میں ہیں۔

وسلامٌ علیکم أیها الأخ الکریم!

کتبه: محمد یوسف البنوري

پس نوشت: انہوں نے سو ریال میری بیٹی سیدہ بنوریہ کے پاس امانت رکھوائے ہیں، اور اس سے کہا ہے کہ یہ آپ کی امانت ہیں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ!

۱۶-۱۱-۱۳۹۵ھ

عزیزِ گرامی قدر مولانا حبیب اللہ المختار، وفّقکم الله للخیر والسعادة!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) نوٹ: یہ مکتوب عربی سے اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

کوئی خط آپ کو نہیں لکھ سکا، اس کا افسوس ہے، لیکن الحمد للہ کہ یہ تقصیر قلمی ہے، قلبی نہیں، ہر وقت یاد رہے اور اپنی ناچیز دعاؤں میں یاد رکھا۔ ماہِ رمضان میں والد محترم (حکیم مختار حسن صاحبؒ) سے ہر وقت ملاقات ہوتی رہی، اس لیے کہ اعتکاف کی جگہ اور خصوصًا محلّ الفطور والسحور (افطار اور سحر کا مقام) تقریباً ملے ہوئے تھے۔ عید کے بعد جدہ پہنچے، سفر کا تفصیلی رخ سامنے نہیں تھا، اس لیے نہ پورے ویزے لے سکے، نہ ٹکٹ جدہ (میں) بنا سکے، نیروبی (افریقہ) پہنچ کر کچھ رخ متعین ہوسکا، بہرحال سفر شروع ہوا، اور آخر قاہرہ پہنچ گئے، اور ''المجلس الأعلیٰ'' کے مہمان بن گئے، تار دیا تھا۔ جینجا جو یوغنڈہ (یوگینڈا) کا دوسرا مرکزی شہر ہے، وہاں (سے) ٹیلی فون' مدرسہ کیا تھا، معلوم ہوا کہ حالات قابلِ اطمینان ہیں، اس لیے حج کا ارادہ کرلیا، اور اتفاق سے ٹکٹ پر کوئی خرچ مزید نہ تھا، ٹکٹ پہلے سے قاہرہ سے براہِ جدہ، کراچی بن چکا تھا، سوائے ویزہ کے مصارف اور کوئی بوجھ نہیں پڑتا تھا، اب ان شاء اللہ تعالیٰ یوم الأحد (اتوار) ۲۳ر نومبر سنہ ۱۹۷۵ھ مصری ائیرویز سے جدہ صبح ٦ بجے روانگی ہوگی، ان شاء اللہ! مدینہ کا خیال پہلے ہے، اگر کوئی ضروری کام پیش نہ آیا تو متصلاً بعد الحج روانگی کا قصد ہے۔

سفر میں برادرم مولانا عبد الرزاق (اسکندر) صاحب (سے) راحت بہت ملی،(۱) اور جن کی ضرورت نہ تھی وہ کٹ گئے یا نہ آسکے۔ الحمد للہ کام کچھ کچھ تو ہوگیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

خدا کرے آپ خیریت سے ہوں اور نورِ چشم طیبہ اور حفصہ، راشدہ سلّمہا (۲) بخیریت ہوں، اور احوال مُوجبِ شکر ہوں، سب کو سلام ودعواتِ صالحہ۔ برادرم مولانا عبد الرزاق (اسکندر) صاحب سلام لکھواتے ہیں۔

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا عنہ

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

(۱) افریقہ کے اس سفر کے تفصیلی احوال استاذِ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے تھے، جو جامعہ کے ترجمان ماہنامہ بینات کے محدث العصر نمبر میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۲) حضرت بنوریؒ کی صاحب زادیاں اور بندہ کی ہمشیرائیں۔

’’نفس‘‘ کی اصلاح کی ضرورت

مولانا محمد راشد شفیع
فاضلِ جامعہ

موجودہ دور فتنوں، خواہشات اور غفلتوں کا دور ہے، جہاں انسان کی توجہ باہر کی دنیا کی اصلاح پر تو مرکوز ہے، مگر اپنے باطن کی خبر کم ہی لی جاتی ہے، حالانکہ اصل کامیابی کا دارو مدار اسی اندرونی اصلاح پر ہے جو فکر، نیت اور عمل کو درست رُخ دیتی ہے۔ آج کا انسان علم، ترقی اور سہولتوں میں آگے ہے، مگر دل کا سکون، عمل کی پاکیزگی اور اخلاقی توازن تیزی سے کمزور پڑتا جارہا ہے۔

نفس کی بے مہار خواہشات نے حلال وحرام کی سرحدوں کو دھندلا دیا ہے اور اخلاص کی جگہ نمود و نمائش نے لے لی ہے، ایسے ماحول میں اصلاحِ نفس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ شدت کے ساتھ محسوس ہوتی ہے، جب تک انسان اپنے اندر جھانکنے، اپنی کمزوریوں کو پہچاننے اور انہیں درست کرنے کا عزم نہیں کرتا، اس کی ظاہری نیکیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔ اصلاحِ نفس انسان کو جواب دہی کا احساس دلاتی ہے اور اسے ہر قدم پر اللہ کی رضا کو مقدم رکھنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر فرد کی درستگی اور پھر پورے معاشرے کی اصلاح کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، اسی لیے اہلِ بصیرت نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی ذات سے اصلاح کا سفر شروع کرے۔ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرنا سیکھ لیتا ہے، وہی درحقیقت دوسروں کے لیے خیر کا ذریعہ بنتا ہے۔ اصلاحِ نفس انسان کو عاجزی، صبر اور برداشت جیسی صفات عطا کرتی ہے، جو اجتماعی زندگی میں نہایت ضروری ہیں۔ جب دل سنور جاتا ہے تو زبان، نظر اور عمل خود بخود سنورنے لگتے ہیں۔

موجودہ دور میں جہاں گناہ کے اسباب آسان اور نیکی کے مواقع مشکل بنا دیے گئے ہیں، وہاں نفس کو قابو میں رکھنا ایک مستقل جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے، یہی مجاہدہ انسان کو اللہ کے قریب کرتا اور دنیا کی فریب کاریوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگر ہر فرد اپنی اصلاح کو اپنا شعار بنالے تو شکایتوں اور الزام تراشیوں کا

سلسلہ خود بخود ختم ہوسکتا ہے، یوں اصلاحِ نفس نہ صرف انفرادی نجات کا ذریعہ بنتی ہے، بلکہ اجتماعی فلاح کا دروازہ بھی کھولتی ہے۔

اصلاحِ نفس کی اہمیت کو قرآنِ کریم نے نہایت واضح اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

ترجمہ: ''تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس (نفس) کو سنوار لیا، اور نامراد ہوا جس نے اس (نفس) کو (فسق وفجور کرکے) خاک میں ملا چھوڑا۔'' (سورۃ الشمس:۹،۱۰)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

ترجمہ: ''واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی (صلاحیت کی) حالت کو نہیں بدل دیتے۔'' (سورۃ الرعد:۱۱)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا، سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔'' (سورۃ النازعات:۴۰-۴۱)

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان کی کامیابی یا ناکامی کا اصل تعلق اس کے باطن اور نفس کی کیفیت سے ہے، قرآنِ کریم بتاتا ہے کہ محض ظاہری اعمال کافی نہیں، بلکہ دل کی پاکیزگی اور خواہشات پر قابو پانا اصل معیارِ فلاح ہے، نفس کی اصلاح کے بغیر حالات کی بہتری کی اُمید محض خوش فہمی ہے، کیونکہ اجتماعی تبدیلی کی ابتدا فرد کی اندرونی تبدیلی سے ہوتی ہے، یہ آیات انسان کو مسلسل محاسبۂ نفس کی دعوت دیتی ہیں اور غفلت سے بیدار کرتی ہیں۔ اللہ کے سامنے جواب دہی کا احساس انسان کو گناہوں سے روکتا اور نیکی کی طرف مائل کرتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو خواہشات کا غلام بننے سے بچا لیتا ہے، وہی حقیقی آزادی حاصل کرتا ہے۔ قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اصلاحِ نفس ایک وقتی عمل نہیں، بلکہ مستقل جد وجہد کا نام ہے۔ اسی جد وجہد کے نتیجے میں انسان کو دنیا میں سکون اور آخرت میں جنت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے متعدد احادیث میں محاسبۂ نفس کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے، چنانچہ ایک روایت میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا مستقل محاسبہ کرتا رہے اور موت کے بعد والی زندگی کی خاطر عمل کرے۔'' (سنن الترمذي، المستدرك للحاكم)

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: انہوں نے کہا: میں تمہیں اسی طرح بتاتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، آپ ﷺ فرماتے تھے: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں

عاجزی آنے سے اور سستی اور بزدلی اور بخیلی اور بڑھاپے سے اور قبر کے عذاب سے، یا اللہ! میرے نفس کو تقویٰ دے اور پاک کر دے اس کو، تو اس کا بہتر پاک کرنے والا ہے، تو اس کا آقا اور مولیٰ ہے، یا اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس علم سے جو فائدہ نہ دے اور اس دل سے جو تیرے سامنے نہ جھکے اور اس جی سے جو آسودہ نہ ہو اور اس دعا سے جو قبول نہ ہو۔'' (صحیح مسلم)

نفس کی اصلاح کے لیے تصوف، سلوک اور تزکیۂ قلب درحقیقت ایک ہی حقیقت کے مختلف عنوانات ہیں۔ دل جب آلودگیوں سے صاف ہوجاتا ہے تو فطری طور پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور کشش بڑھنے لگتی ہے، کیونکہ بندے کا قربِ الٰہی اس کے باطن کی درستگی اور دل کی صلاح پر موقوف ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے جب کسی نے تصوف کے بارے میں سوال کیا تو آپؒ نے نہایت جامع اور بامعنی جواب دیا، فرمایا کہ: تصوف کی ابتدا حدیثِ نبوی ''إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ'' سے ہوتی ہے اور اس کی انتہا حدیثِ جبریل ''اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ'' پر جا کر مکمل ہوتی ہے۔ بظاہر یہ چند الفاظ ہیں، مگر حقیقت میں تصوف و سلوک کا پورا نقشہ ان ہی میں سمٹ آیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اعمال کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، اگر نیت میں اخلاص نہ ہو تو وہ اعمال بارگاہِ الٰہی میں وزن نہیں رکھتے، اسی لیے تصوف کی راہ پر چلنے والے کو سب سے پہلے اپنی نیت کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، یہی اس روحانی سفر کی بنیاد ہے۔ جب نیت درست ہوجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں متوجہ ہونے لگتی ہیں اور معرفتِ الٰہی کا راستہ کھل جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ بندہ اس کیفیت تک پہنچ جاتا ہے کہ عبادت میں اس کا دل اس طرح حاضر ہوجاتا ہے، گویا وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہو، جسے یہ مقام نصیب ہوجائے، اس کی سعادت اور شرافت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، درحقیقت تصوف کا اصل مقصد شریعتِ مطہرہ کی کامل پیروی ہے۔ شریعت کے دائرے سے باہر طریقت کا کوئی تصور نہیں۔ اکابر مشائخ نے اصلاحِ نفس کے لیے جو اذکار، معمولات اور طریقے بتائے ہیں، وہ بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ محض ذرائع اور وسائل ہیں۔ ان بزرگوں کی صحبت، نگرانی اور تربیت میں رہ کر انسان وہ کمالِ انسانیت حاصل کرتا ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جو شریعت کی روح اور مطلوبِ اصلی ہے۔

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا:

''آج ہمارا حال مختلف ہے، اللہ والوں کی مجلس سے ہم بھاگتے ہیں، ہم جس ماحول میں رہتے ہیں وہ گناہ و عصیان کا ماحول ہے، گرد و پیش سے عام انسان تو عام انسان ہے، ''ولی'' بھی متاثر ہوجاتا ہے، سنیما اور گانوں کی آواز، دنیا کی فحاشی یہ سب کچھ انسان کو متاثر کرتے ہیں۔ صحابہؓ

کا عاد وثمود کی بستی سے جب گزر ہوا تو حضور ﷺ نے منہ چھپالیا اور صحابہؓ کو جلدی سے گزر جانے کے لیے فرمایا۔ دیکھیے! ماحول کا اثر، حضور ﷺ کی نگاہ میں کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اگر اثر کا خوف نہ ہوتا تو جلدی سے کیوں گزرتے؟! اسی لیے کہا جاتا ہے کہ برے ماحول سے کٹ کر اللہ والوں کی مجلس میں بیٹھو، نورانیت پیدا ہوگی اور اچھے اثرات پڑیں گے۔

(باتیں اُن کی یاد رہیں گی، صفحہ: ۳۵، از مولانا محمد رضوان القاسمی)

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ نفس کی اصلاح دراصل انسان کی پوری زندگی کی اصلاح ہے، کیونکہ نفس ہی خیر وشر کا اصل میدان ہے۔ جب تک نفس خواہشات کا غلام رہے، بندہ چاہ کر بھی راہِ حق پر استقامت اختیار نہیں کرسکتا۔ نفس کو شریعت کا تابع بنانا ہی تقویٰ کی حقیقی بنیاد ہے۔ جو شخص اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو منور فرمادیتے ہیں۔ نفس کی اصلاح صبر، مجاہدہ اور دوامِ ذکر کے بغیر ممکن نہیں۔ اکابرِ اُمت نے اسی مجاہدۂ نفس کو ولایت اور قربِ الٰہی کی کنجی قرار دیا ہے۔ جس نے اپنے نفس کو قابو میں کرلیا، اس نے بڑے بڑے فتنوں سے نجات پالی۔ نفس کی اصلاح انسان کو عاجزی، اخلاص اور خشیتِ الٰہی کی دولت عطا کرتی ہے۔ یہی اصلاح‘ فرد کو صالح اور معاشرے کو پاکیزہ بناتی ہے۔ پس کامیابی اسی کے لیے ہے جو اپنے نفس کو سنوار لے کہ قرآن کی گواہی ہے: ’’قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا‘‘

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مسلمانوں کی فتوحات کا راز
غیر مسلم مفکرین کی نظر میں

مولانا محمد محمود حسن
ڈھاکہ، بنگلہ دیش

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

''وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (آل عمران:۱۳۹)

ترجمہ: ''اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔''

ایک اور آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ'' (النور:۵۵)

ترجمہ: ''(اے مجموعۂ اُمت!) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں، ان سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائے گا، جیسا ان سے پہلے (اہلِ ہدایت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے (نفعِ آخرت کے) لیے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدّل بہ امن کردے گا، بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں (اور) میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں اور جو شخص بعد (ظہور) اس (وعدے) کے ناشکری کرے گا تو یہ لوگ بے حکم ہیں۔''

قرآنِ کریم کی ان ابدی اور آفاقی تعلیمات کی صداقت اور عملی حقیقت کا اظہار ہمیں متعدد غیر مسلم قائدین اور مفکرین کے اقوال واقرار میں بھی ملتا ہے، وہ لوگ جنہوں نے شاید کبھی قرآن کو ہاتھ بھی نہ لگایا

ہو، مگر حقیقت کبھی پردۂ خفا میں نہیں رہتی، بلکہ بالآخر آشکار ہوکر رہتی ہے۔ ممکن ہے کہ جاہل اور ہٹ دھرم افراد کے لیے یہ حقیقت واضح نہ ہو، مگر صاحبِ ضمیر اور اہلِ فکر انسانوں کے لیے یہ بالکل روشن ہوتی ہے۔

ہم تاریخ کے اوراق سے ایسے چند نمایاں شواہد پیش کر رہے ہیں جن میں غیر مسلم مفکرین نے خود مسلمانوں کے ایمان اور عمل کی برتری کا اعتراف کیا ہے، اور اسی کو مسلمانوں کی قوت کا اصل سرچشمہ اور ان کی ہمہ گیر فتوحات کا بنیادی راز قرار دیا ہے۔

رومی شہنشاہ ہرقل کا اعترافِ حقیقت

رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ کی مسلسل فتوحات اور رومی افواج کی پے در پے شکستوں کا منظر دیکھ کر رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنے فوجی کمانڈروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: تم پر ہلاکت ہو! جن لوگوں کے خلاف تم لڑ رہے ہو اور بار بار شکست کھا رہے ہو، کیا وہ تمہاری ہی طرح انسان نہیں ہیں؟''

انہوں نے جواب دیا: ''کیوں نہیں!''

شہنشاہ نے پوچھا: ''تعداد میں وہ زیادہ ہیں یا تم؟''

انہوں نے کہا: ''ہر معرکے میں ہم ہی تعداد میں زیادہ رہے ہیں۔''

شہنشاہ نے کہا: ''پھر تم بار بار شکست کیوں کھاتے ہو؟''

اس پر ان کے ایک معمر و تجربہ کار فوجی افسر نے کہا:

''من أجل أنهم يقومون الليل ويصومون النهار، ويوفون بالعهد، ويأمرون بالمعروف، وينهون عن المنكر، ويتناصفون بينهم، من أجل أنا نشرب الخمر، ونزني، ونركب الحرام، وننقض العهد، ونغضب ونظلم ونأمر بالسخط وننهى عما يرضي الله ونفسد في الأرض.''

یعنی: ''اس لیے کہ وہ راتوں کو قیام کرتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں، وعدوں کو پورا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، اور آپس میں انصاف کرتے ہیں۔ اور اس کے برعکس ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں، عہد شکنی کرتے ہیں، غصہ کرتے اور ظلم ڈھاتے ہیں، لوگوں کو اللہ کی رضا والے کاموں سے روکتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔''

یہ سن کر شہنشاہ ہرقل نے کہا: ''أنت صدقتني''، ''تم نے مجھ سے سچ کہا ہے۔'' (البدایہ والنہایہ، ابنِ کثیرؒ [وفات: ۷۷۴ھ] ۷/ ۲۰)

ایک اور واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ رومی شہنشاہ ہرقل اپنی سلطنتِ شام سے شکست کھا کر آخر کار قسطنطنیہ پہنچا اور وہیں اپنی حکومت قائم کی۔ ایک دن اس کے ایک تابع دار کو مسلمانوں کی قید سے رہائی ملی تو وہ اس کے پاس آیا۔ شہنشاہ نے اس سے کہا: اس قوم کے بارے میں مجھے کچھ بتاؤ۔

اس شخص نے کہا: ''میں ان کی ایسی تصویر بیان کروں گا کہ گویا آپ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔''

پھر اس نے کہا: ''هم فرسان بالنهار، رهبان بالليل، لا يأكلون في ذمتهم إلا بثمن، ولا يدخلون إلا بسلام، يقفون على من حاربوه حتى يأتوا عليه.''

یعنی: ''وہ دن کے وقت گھڑسوار بہادر ہوتے ہیں اور رات کی تاریکی میں دنیا سے بے رغبت عبادت گزار، کسی چیز کو قیمت ادا کیے بغیر استعمال نہیں کرتے، سلام کہہ کر داخل ہوتے ہیں، اور جن سے جنگ کرتے ہیں ان کے مقابلے میں اس وقت تک ڈٹے رہتے ہیں جب تک مکمل فتح حاصل نہ کرلیں۔''

یہ سن کر شہنشاہ ہرقل نے کہا: ''لئن كنت صدقتني ليملكن موضع قدمي هاتين.''

اگر تم نے سچ کہا ہے تو وہ تو میرے قدموں کے نیچے کی یہ جگہ بھی ضرور فتح کرلیں گے۔

(تاریخ طبری، ابن جریر طبریؒ [وفات: ۳۱۰ھ] ۳/ ۶۰۳۔ البدایہ والنہایہ، ابن کثیرؒ [وفات: ۷۷۴ھ] ۷/ ۶۲)

ایک عیسائی پادری کی دوٹوک گواہی

روایت میں آتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مسلسل فتوحات اور رومی افواج کی شکستیں دیکھ کر رومی شہنشاہ ہرقل نے اپنے درباریوں کے سامنے اس کی وجہ دریافت کی، اس موقع پر ایک عیسائی پادری نے اس سے کہا:

''أيها الملك لأن قومنا بدلوا دينهم وغيروا ملتهم وجحدوا بإجابة المسيح عيسى ابن مريم صلوات الله وسلامهٔ عليه وظلموا بعضهم وليس فيهم من يأمر بالمعروف وينهي عن المنكر وليس فيهم عدل ولا إحسان ولايفعلون الطاعات وضيعوا أوقات الصلوات وأكلوا الربا وارتكبوا الزنا وفشت فيهم المعاصي والفواحش، وهؤلاء العرب طائعون لربهم متبعون دينهم رهبان بالليل صوام بالنهار ولا يفترون عن ذكر ربهم ولا عن الصلاة على نبيهم وليس فيهم ظلم ولا عدوان ولا يتكبر بعضهم على بعض شعارهم الصدق ودثارهم العبادة وإن حملوا علينا لا يرجعون وإن حملنا عليهم فلا يولون وقد علموا أن الدنيا دار الفناء وأن الآخرة هي دار البقاء.''

یعنی: ’’اے بادشاہِ معظم! اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنے دین کو بدل ڈالا، اپنے مذہب کو تبدیل کرلیا، اور مسیح عیسیٰ ابنِ مریم علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں، ان میں کوئی ایسا نہیں جو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے، ان میں نہ عدل ہے نہ احسان، نہ عبادت و اطاعت کا اہتمام ہے۔ انہوں نے نمازوں کے اوقات ضائع کر دیے، سود کھانے لگے، زنا میں مبتلا ہو گئے، اور ان کے درمیان گناہ اور فحاشی عام ہوگئی۔

اور یہ عرب لوگ اپنے رب کے فرمانبردار ہیں، اپنے دین کے پیروکار ہیں؛ رات کو رہبان (عبادت گزار) ہوتے ہیں اور دن کو روزہ دار۔ وہ اپنے رب کے ذکر اور اپنے نبی پر درود پڑھنے سے غافل نہیں ہوتے۔ ان میں ظلم و زیادتی نہیں، نہ ایک دوسرے پر تکبر کرتے ہیں۔ ان کا شعار سچائی ہے اور ان کا لباس عبادت۔ اگر وہ ہم پر حملہ کریں تو پیچھے نہیں ہٹتے، اور اگر ہم ان پر حملہ کریں تو وہ بھاگتے نہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور آخرت ہی باقی رہنے والی ہے۔‘‘ (فتوح الشام، واقدیؒ [وفات: ۲۰۷ھ] ۱/ ۱۴۹)

پادری کے سامنے جاسوسوں کا اعتراف اور پادری کا تبصرہ

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے ارادے سے اُردن کے قریب ایک علاقے میں اُترے تو دمشق کے ایک پادری نے ان کی خبر لینے کے لیے دو عربی بولنے والے عیسائیوں کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ وہ دونوں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شب و روز کے حالات کا مشاہدہ کر کے واپس آئے اور کہا: ’’جئتك من عند رجال دقاق يركبون خيولًا عتاقًا، أما الليل فرهبان، وأما النهار ففرسان، يريشون النبل ويبرونها، ويثقفون القنا، لو حدثت جليسك حديثًا ما فهمه عنك لما علا من أصواتهم بالقرآن والذكر.‘‘ یعنی: ’’میں تمہارے پاس ایسے پختہ عزم لوگوں کے پاس سے آیا ہوں جو اعلیٰ نسل کے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ رات کے وقت وہ عبادت گزار رہبان ہوتے ہیں اور دن کے وقت گھڑسوار مجاہد۔ وہ تیروں میں پر لگاتے ہیں، انہیں درست کرتے ہیں اور نیزوں کو تیز کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے پاس بیٹھے شخص سے بات کرو تو قرآن کی تلاوت اور ذکر کی بلند آوازوں کی وجہ سے وہ تمہاری بات نہ سن سکے گا۔‘‘

یہ سن کر اس پادری نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ’’أتاكم منهم ما لا طاقة لكم به.‘‘ یعنی ’’تمہارے پاس ایسی قوم آ پہنچی ہے جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔‘‘

(البدایہ والنہایہ، ابنِ کثیرؒ [وفات: ۷۷۴ھ] ۷/ ۲۰)

اہلِ حمص کے ذمیوں کی مخلصانہ گواہی

جب صحابۂ کرامؓ نے شام کے شہر حمص کو فتح کرلیا اور ذمی کفار سے مقررہ جزیہ وصول کرنے کے بعد یہ دیکھا کہ رومی افواج دوبارہ شدید حملے کی تیاری کر رہی ہیں، تو انہوں نے وصول شدہ جزیہ ذمیوں کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ چونکہ رومی لشکر دوبارہ حملے کی تیاری میں ہے، اس لیے ہم اس وقت تمہیں مکمل تحفظ فراہم کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ دیکھ کر حمص کے ذمی باشندے حسرت وعقیدت کے ساتھ کہنے لگے:

''لو لایتکم وعدلکم أحب إلینا مما کنا فیه منَ الظلم والغشم ولندفعن جند هرقل عن المدینة.''

یعنی: ''تمہاری حکومت اور تمہارا عدل ہمیں اس ظلم و جبر سے کہیں زیادہ محبوب ہے جس میں ہم پہلے مبتلا تھے۔ ہم ضرور ہرقل کے لشکر کو شہرِ حمص سے پسپا کریں گے۔''

(فتوح البلدان، بلاذریؒ [وفات: ۲۷۹ھ] ص: ۱۳۹)

مسلمانوں کے بارے میں چینی شہنشاہ کا تبصرہ

جب فارسی شہنشاہ کسریٰ شکست کھا کر دور دراز علاقوں میں بھٹکتا پھر رہا تھا اور دل شکستہ حالت میں اپنے چند خاص ساتھیوں سے آئندہ کے لائحۂ عمل پر مشورہ کر رہا تھا تو اس کی خواہش یہ تھی کہ چینی شہنشاہ سے دوستی کر کے اس سے لشکر اور مدد حاصل کرے اور مسلمانوں کے خلاف دوبارہ حملہ کرے۔ اس موقع پر اس کے ایک ہوشیار ساتھی نے مشورہ دیا کہ آپ ایسا کرنے کے بجائے ان عربوں سے صلح کر لیجیے، کیونکہ ان میں دینداری اور امانت پائی جاتی ہے، اور آپ ان کے ساتھ امن کا معاہدہ کر کے اطمینان سے ان کے پڑوس میں رہ سکتے ہیں۔ مگر کسریٰ کو یہ خیرخواہانہ مشورہ پسند نہ آیا، چنانچہ اس نے چینی شہنشاہ کے پاس مدد کی درخواست کے ساتھ ایک سفیر بھیج دیا۔ چینی شہنشاہ نے اس سفیر سے ان فاتح مسلمانوں کے بارے میں تفصیل پوچھی۔ سفیر نے مسلمانوں کی نماز، عبادت، جہاد، گھڑسواری اور ان کے عمومی حالات کی مکمل تصویر بیان کر دی۔ یہ سب سن کر چینی شہنشاہ نے کسریٰ کے نام یہ پیغام لکھ بھیجا:

''إنهٗ لم یمنعني أن أبعث إلیك بجیش أولهٗ بمرو وآخرهٗ بالصین الجهالة بما یحق علي، ولکن هؤلاء القوم الذین وصف لي رسولك صفتهم لو یحاولون الجبال لهدوها، ولو جئت لنصرك أزالوني ما داموا علی ما وصف لي رسولك، فسالمهم وارض منهم بالمسالمة.''

یعنی: ''مجھے اس بات سے کوئی مانع نہیں کہ میں تمہاری مدد کے لیے ایسا عظیم لشکر روانہ کروں جس کا

آغاز مرو سے ہوا اور آخری سرا چین میں ہو، مگر تمہارے سفیر نے جن لوگوں کی صفات مجھے بیان کی ہیں، اگر وہ پہاڑوں سے بھی ٹکرا جائیں تو انہیں ریزہ ریزہ کر دیں۔ اگر میں تمہاری مدد کو آؤں تو وہ مجھے بھی نیست و نابود کر دیں گے، جب تک وہ انہی اوصاف پر قائم رہیں جن کا ذکر تمہارے سفیر نے کیا ہے، لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ تم ان سے صلح کرلو اور امن پر راضی رہو۔''

اس کے باوجود کسریٰ نے یہ نصیحت قبول نہ کی اور در بدر بھٹکتا رہا، یہاں تک کہ دو برس بعد وہ قتل کر دیا گیا۔ (تاریخِ طبری، ابن جریر طبریؒ [وفات: ۳۱۰ھ] ۴ / ۱۷۲؛ البدایہ والنہایہ، ابن کثیرؒ [وفات: ۷۷۴ھ] ۷ / ۱۴۵)

قیقان کے باشندوں کا واقعہ

سن ۳۸ ہجری میں جب صحابیِ رسول حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمان لشکر نے ہندوستان کے علاقے قیقان (بلوچستان میں قلات، خضدار وغیرہ ملحقہ علاقے) پر حملہ کیا، تو کافر فوج شکست کھا کر بھاگ گئی اور قلعے میں پناہ لے لی۔ جب مسلمان ان کا تعاقب کرتے ہوئے قلعے کے قریب پہنچے تو کفار نے مسلمانوں کو دیکھ کر کہا:

''والله ما أنتم قتلتمونا ولا قتلنا إلا رجال ما نراهم معكم الآن على خيل بلق عمائم بيض.''

یعنی: ''اللہ کی قسم! نہ تو تم نے ہمیں قتل کیا ہے اور نہ ہم نے تمہیں، بلکہ ہم سے تو ایسے لوگوں نے جنگ کی ہے جنہیں ہم اب تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے؛ وہ چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے اور سفید عمامے پہنے ہوئے تھے۔''

اس پر مسلمانوں نے کہا: یہ اللہ کی مدد تھی، یعنی اللہ کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے۔ (تاریخِ خلیفہ بن خیاطؒ [وفات: ۲۴۰ھ] ص: ۲۱۲ - ۲۱۳)

نوبیہ کے بادشاہ کی گواہی

عبداللہ بن مروان روایت کرتے ہیں کہ میں جب ظالم حجاج بن یوسف سے بھاگ کر نوبیہ کے ملک میں پناہ گزین ہوا، تو نوبیہ کے بادشاہ نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں نے اس کے سامنے اپنا حال بیان کیا۔ کچھ دن بعد وہ خود مجھ سے ملنے آیا۔ میرے لیے قیمتی اور نفیس قالین بچھائے گئے تھے، مگر اس نے انہیں نظر انداز کر کے زمین پر بیٹھنا پسند کیا۔ میں نے پوچھا: ''آپ ہمارے قالین پر کیوں نہیں بیٹھے؟''

اس نے کہا: ''میں بادشاہ ہوں، اور اللہ کی عظمت کو جان لینے کے بعد ہر بادشاہ پر لازم ہے کہ وہ

عاجزی اختیار کرے، کیونکہ عزت اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔''

پھراس نے پوچھا: ''تم شراب کیوں پیتے ہو؟ حالانکہ تمہاری کتاب (قرآن) میں اسے حرام قرار دیا گیا ہے؟''

میں نے کہا: ''یہ کام ہمارے غلام اور تابع لوگ کرتے ہیں۔''

اس نے دوبارہ پوچھا: ''پھر تم اپنی کھیتیوں کو جانوروں کے پاؤں تلے کیوں روندواتے ہو، حالانکہ قرآن میں زمین میں فساد پھیلانا حرام ہے؟''

میں نے جواب دیا: ''یہ بھی ہمارے جاہل غلام اور تابعین کرتے ہیں۔''

پھراس نے کہا: ''تم ریشم، سونا اور دیباج کیوں پہنتے ہو، حالانکہ یہ سب تمہاری شریعت میں حرام ہیں؟''

میں نے کہا: ''ہم نے اپنی حکومت کھودی ہے، ہمارے درمیان کچھ عجمی لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، وہی یہ سب پہنتے ہیں، اگر چہ ہم اسے ناپسند کرتے ہیں۔''

یہ سن کر وہ زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچنے لگا، پھر سر اُٹھا کر میری طرف دیکھا اور کہا:

''ليس كما ذكرت بل أنتم قوم استحللتم ما حرّم الله عليكم وأتيتم ما عنه نهيتم وظلمتم فيما ملكتم فسلبكم الله العزّ وألبسكم الذّلّ بذنوبكم، ولله نقمة لم تبلغ غايتها فيكم وأنا خائف أن يحلّ بكم العذاب وأنتم ببلدي فينالني معكم، وإنّما الضّيافة ثلاث، فتزوّد ما احتجت إليه وارتحل عن أرضي.''

یعنی: ''بات ویسی نہیں جیسی تم بیان کر رہے ہو، بلکہ تم وہ قوم ہو جس نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال بنالیا، جن کاموں سے روکا گیا تھا انہیں کرنے لگے، اور جن پر تمہیں اختیار دیا گیا ان پر ظلم کیا۔ اسی وجہ سے اللہ نے تم سے عزت چھین لی اور تمہیں ذلت کا لباس پہنا دیا۔ یہ سب تمہارے گناہوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کا عذاب ابھی پوری طرح تم پر نازل نہیں ہوا، مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم چونکہ میرے ملک میں ہو، کہیں اس کا اثر مجھے بھی نہ پہنچ جائے۔ مہمان نوازی تین دن تک ہوتی ہے، لہٰذا جو ضرورت ہو لے لو اور میری سرزمین چھوڑ دو۔'' (تاریخ ابنِ خلدون: ۱/۲۵۹)

بامیان کے بادشاہ رتبیل کا تبصرہ

اُموی خلیفہ یزید بن عبد الملک کے دورِ حکومت میں ایک مرتبہ مسلم حکمران کی جانب سے بھیجے گئے، محصلینِ خراج افغانستان کے علاقے بامیان کے بادشاہ رتبیل کے پاس واجب الادا خراج وصول

کرنے کے لیے آئے۔اس موقع پر بادشاہ رتبیل نے کہا:

’’ما فعل قوم كانوا يأتونا خماص البطون سود الوجوه من الصلاة نعالهم خوص؟‘‘

’’تمہاری قوم کے وہ لوگ کہاں ہیں جو ہمارے پاس آیا کرتے تھے، روزوں کی وجہ سے خالی پیٹ، نمازوں کے اثر سے سیاہ پڑے ہوئے چہروں کے ساتھ، اور جن کے جوتے کھجور کے پتوں سے بنے ہوتے تھے؟‘‘

انہوں نے جواب دیا:’’وہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔‘‘

یہ سن کر بادشاہ رتبیل نے کہا:

’’أولئك أوفى منكم عهدًا وأشد بأسًا، وإن كنتم أحسن منهم وجوهًا.‘‘

یعنی:’’وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند اور طاقت میں کہیں زیادہ مضبوط تھے، اگرچہ تم ان سے زیادہ خوبصورت چہرے والے ہو۔‘‘ (فتوح البلدان، بلاذریؒ[وفات:۲۷۹ھ]،ص:۳۸۸)

بیت المقدس کے عیسائیوں کی گواہی

پانچویں صدی ہجری کے آخر میں جب تقریباً نوّے برس تک بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر یورپی عیسائیوں کے قبضے میں رہا، اس کے بعد جب سلطنتِ زنگیہ کے جانشین سلطان نورالدین زنگیؒ بیت المقدس کی بازیابی کے لیے مسلسل جہاد میں مصروف تھے، اس دور کا ایک واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے:

مسلمان صوفی و زاہدوں کا ایک قافلہ زیارت کی غرض سے بیت المقدس پہنچا، وہاں انہوں نے عیسائیوں کو آپس میں یہ کہتے ہوئے سنا:

’’إن القسيم ابن القسيم -يعنون نور الدين- لهٗ مع الله سر، فإنهٗ لم يظفر و ينصر علينا بكثرة جنده وجيشه، وإنما يظفر علينا و ينصر بالدعاء وصلاة الليل، فإنهٗ يصلي بالليل و يرفع يدهٗ إلى الله و يدعو، فإنهٗ يستجيب لهٗ و يعطيه سؤلهٗ فيظفر علينا.‘‘

یعنی:’’یقیناً القسیم بن القسیم یعنی نورالدین کا اللہ کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے، وہ ہم پر اپنے لشکروں اور فوج کی کثرت کے ذریعے غالب نہیں آتا، بلکہ وہ ہم پر دعا اور رات کی نماز کے ذریعے فتح پاتا ہے۔ وہ رات کو نماز پڑھتا ہے، اللہ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر دعا کرتا ہے، تو اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے اور اس کی مراد پوری کر دیتا ہے، اور اسی طرح وہ ہم پر غالب آ جاتا

ہے۔'' (الروضتين في أخبار الدولتين، أبو شامة مقدسيؒ [وفات: ٦٦٥ھ] ١/ ٦٣؛ البداية والنهاية، ابن کثیرؒ [وفات: ٧٧٤ھ] ١٢/ ٣٤٨- ٣٤٩)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مندرجہ بالا واقعات کے بیان سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اسلحہ اور فوجی قوت غیرضروری چیزیں ہیں، یا صرف نماز اور دعا کے ذریعے ہی دنیا کو فتح کیا جا سکتا ہے، بلکہ اس سے مقصود یہ بات واضح کرنا ہے کہ اگرچہ جنگ میں فتح کے لیے ضروری اسباب اور وسائل کی تیاری ایک ناگزیر امر ہے۔ خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے حسبِ استطاعت جنگ کی تیاری اور سامانِ حرب مہیا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ''

ترجمہ: ''اور ان کافروں کے لیے جس قدر تم سے ہو سکے قوت (ہتھیار) سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعہ سے تم (رعب) جمائے رکھو اُن پر جو کہ (کفر کی وجہ سے) اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم (بالیقین) نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو چیز بھی خرچ کروگے وہ تم کو پورا پورا دے دیا جاوے گا اور تمہارے لیے کچھ کمی نہ ہوگی۔'' (سورۂ انفال: ٦٠)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:

''الأولٰى أن يقال: هٰذا عام في كل ما يتقوى به على حرب العدو، وكل ما هو آلة للغزو والجهاد فهو من جملة القوة. وهٰذه الاٰية تدل على أن الاستعداد للجهاد بالنبل والسلاح وتعليم الفروسية والرمي فريضة، إلا أنهٗ من فروض الكفايات.''

یعنی: ''اس آیت کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ یہاں ''قوت'' سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے دشمن کے خلاف جنگ میں قوت حاصل ہو، اور جہاد و قتال کے تمام آلات اسی قوت میں شامل ہیں۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جہاد کے لیے اسلحہ کی تیاری، گھڑسواری اور تیراندازی کی تعلیم حاصل کرنا فرض ہے، البتہ یہ فرضِ کفایہ ہے۔''

(تفسیر کبیر، فخر الدین رازیؒ [وفات: ٦٠٦ھ] ١٥/ ٤٩٩)

البتہ یہ بات سب سے پہلے دل میں بٹھا لینی چاہیے کہ مسلمانوں کی فتح کے لیے صرف ظاہری تیاری، عسکری تربیت اور اسباب و وسائل ہی کافی نہیں، بلکہ روحانی اور باطنی تیاری اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ مسلمانوں کی اصل قوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گہرا اور مضبوط تعلق قائم کرکے اس کی نصرت و مدد حاصل کرنا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

''يا أيها الناس! عمل صالح بين يدي الغزو، فإنكم إنما تقاتلون بأعمالكم.''

یعنی: ''اے لوگو! جہاد سے پہلے نیک اعمال کرلیا کرو، کیونکہ تم درحقیقت اپنے اعمال ہی کے ذریعے جنگ کرتے ہو۔'' (کتاب الجهاد، امام ابن المبارکؒ [وفات:۱۸۱ھ] روایت نمبر:۵)

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

سوال (بھیک مانگنے) کی شرعی حیثیت

مفتی عبید الرحمٰن
مردان

پسِ منظر اور باعثِ تحریر

عصرِ حاضر کے ظروف واحوال نے جن مختلف چیزوں کو مستقل حرفت وکسب کی شکل دی ہے، ان میں سے ایک اہم چیز ''بھیک مانگنا'' بھی ہے، جس کو یہاں کبھی بھیک مانگنے اور کبھی سوال کرنے سے تعبیر کیا جائے گا۔ ان سطور کا باعث یہ ہے کہ اس وقت بھیک مانگنے کی دسیوں صورتیں رائج ہیں، عزت وشرافت کے دور میں جو کام ایک وقتی مجبوری کے طور پر شرما شرمی کے ساتھ ہوتا تھا، ''ترقی وخوشحالی'' کے اس دور میں وہی کام مستقل بنیادوں پر اور پوری جرأت وڈھٹائی کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے۔ بہرحال بھیک مانگنے کی اکثر صورتیں ناجائز ہیں اور سوال کرنے کی کئی صورتیں ایسی بھی ہیں، جن کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ متعدد بار ایسے سوالات آنے اور فقہ وحدیث کی معتبر کتابوں کی طرف مراجعت کرنے کے باوجود یکجا طور پر مستقل اور جامع تفصیل نہیں مل سکی، اس لیے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ان سطور کے لکھنے کی جسارت ہوئی۔

بھیک مانگنا: احادیث کی روشنی میں

متعدد احادیث میں مسلمانوں کو بھیک مانگنے سے روکا گیا ہے، ان میں سے بعض روایات میں بھیک مانگنے کی اُخروی سزا وعذاب کا ذکر کیا گیا ہے، بعض میں دنیوی لحاظ سے اس کا نتیجہ بیان فرمایا گیا ہے اور بعض میں صراحت کے ساتھ ممانعت فرمائی گئی ہے۔ یہ سب مذمت اور کراہت کے اسالیب ہیں اور جب کسی خاص عمل کے متعلق اس طرح ممانعت وارد ہوجاتی ہے تو اس سے اس عمل کا ناجائز، ممنوع اور گناہ ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مفید کتاب ''إتحاف ذوي المروة والإنافة'' میں سوال کی

مذمت اور کراہت کے متعلق روایات کو یکجا کرنے کوشش فرمائی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے تیس روایات نقل فرمائی ہیں، ان میں چند روایات نقل کرکے باقی کا حاصلِ خلاصہ لکھنے پر اکتفا کیا جاتا ہے، اہلِ علم اصل کتاب کی طرف مراجعت کرسکتے ہیں۔ (۱)

۱- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''ما يزال الرجل يسأل الناس حتى يأتي يوم القيامة وليس في وجهه مزعة -أي قطعة - من لحم.'' (۲)

ترجمہ: ''آدمی لوگوں سے مانگتا ہی رہتا ہے، یہاں تک کہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی باقی نہیں ہوگا۔''

۲-''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قال: والذي نفسي بيده، لأن يأخذ أحدكم حبلهٗ فيحتطب على ظهره، خير لهٗ من أن يأتي رجلًا فيسألهٗ، أعطاه أو منعهٗ.'' (۳)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اپنی رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیاں اُٹھا کر لائے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی آدمی کے پاس جا کر سوال کرے، خواہ وہ اسے دے یا نہ دے۔''

۳- حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

''أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قال: الذي يسأل من غير حاجة، كالذي يلتقط الجمر.'' (۴)

ترجمہ: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بلاضرورت سوال کرتا ہے، وہ اس شخص کی مانند ہے جو انگارے چنتا ہے۔''

۴-''سنن ابی داؤد'' وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے:

''عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قال: من سأل الناس ولهٗ ما يغنيه جاء يوم القيامة ومسألته في وجهه خموش أو خدوش أو كدوح، قيل وما الغنى؟ قال: خمسون درهمًا أو قيمتها من الذهب.'' (۵)

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص

لوگوں سے سوال کرے، حالانکہ اس کے پاس اتنا مال ہو جو اسے کفایت کر جائے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے سوال کا اثر اس کے چہرے پر خراش، زخم یا نشان کی صورت میں ہوگا۔ عرض کیا گیا: غنی ہونے کی حد کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پچاس درہم یا سونے میں اس کی قیمت۔''

۵- امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صحیح ابن حبان میں روایت کیا ہے کہ:

''أن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: المسائل كدوح، يكدح الرجل بها وجههٗ، فمن شاء أبقى على وجهه، ومن شاء ترك، غلا أن يسأل الرجل ذا السلطان في أمر لا يجد منه بدًا.'' (۶)

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوال کرنا دراصل زخم لگانے کے مترادف ہے، جس کے ذریعے آدمی اپنے چہرے کو زخمی کرتا ہے۔ پس جو چاہے اپنے چہرے کی آبرو باقی رکھے اور جو چاہے اسے چھوڑ دے، البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ کوئی شخص کسی ناگزیر معاملہ میں صاحبِ اقتدار سے سوال کرے جس کے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ نہ ہو۔''

۶- ''صحیح ابن حبان'' اور ''سنن ابی داؤد'' وغیرہ کتب حدیث میں ہے:

''أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم قال: من سأل شيئًا وعندهٗ ما يغنيه، فإنما يستكثر من جمر جهنم، قالوا: وما يغنيه؟ قال قدر ما يغديه و يعشيه).'' (۷)

ترجمہ: ''جو شخص کسی چیز کا سوال کرے حالانکہ اس کے پاس اتنا ہو جو اسے کفایت کر جائے، تو وہ درحقیقت جہنم کے انگارے زیادہ کر رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کفایت کرنے کی مقدار کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اتنی مقدار جو اُسے صبح اور شام کا کھانا مہیا کر دے۔''

بھیک مانگنے کا فقہی حکم اور مختلف صورتیں

مذمت پر مشتمل ان روایات کی وجہ سے تمام فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ:

الف: عام حالات میں سوال کرنا (بھیک مانگنا) ناجائز اور ممنوع ہے۔

ب: البتہ اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ

۱: جس کے پاس ایک دن کے کھانے پینے کا سامان موجود نہ ہو۔ (۸)

۲: اس کی قیمت بھی دستیاب نہ ہو۔

۳:اور کمانے کی استطاعت بھی نہ ہو[۹]، تو ایسے شخص کے لیے سوال کرنا جائز ہے۔ یہ تو اشیاءِ خورد ونوش کے متعلق ہے، جہاں تک لباس کی بات ہے تو اگر کوئی ایسا کپڑا ہو جس سے بدن ڈھانک سکے تو سوال کرنا جائز نہیں ہے، ورنہ درست ہے۔

ج:اگر کوئی شخص واقعتاً اضطراری حالت میں ہو (یعنی فاقے سے جان جانے یا سخت مضرت لاحق ہونے کا خطرہ ہو) اور بھیک مانگے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو تو ایسی صورت میں مانگنا واجب ہے۔ ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے:

''ولا يحل السؤال لمن كان عندهٗ قوت يوم عند البعض، وقال بعضهم: لايحل السؤال لمن كان كسوباً أو يملك خمسين درهما.''[۱۰]

ترجمہ: ''بعض اہلِ علم کے نزدیک جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں، اور بعض نے فرمایا ہے کہ جس شخص میں کمانے کی طاقت ہو یا وہ پچاس درہم کا مالک ہو، اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں۔''

''تحفة الفقهاء'' میں ہے:

''الغنى الذي يحرم به السؤال ولا يحرم الأخذ ولا الدفع من غير سؤال: قال بعضهم: خمسون درهمًا، وقال عامة العلماء: إذا ملك قوت يومهٖ وما يستر به عورتهٗ فلا يحل له السؤال، فأما إذا لم يكن فلا بأس بهٖ، وأما الفقير إذا كان قويًا مكتسبًا فيحل بهٖ أخذ الصدقة ولا يحل له السؤال.''[۱۱]

ترجمہ: ''وہ مالداری جس کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہو جاتا ہے، لیکن بغیر سوال کے لینا اور دینا حرام نہیں ہوتا: بعض اہلِ علم نے اس کی حد پچاس درہم بیان کی ہے، اور جمہور علماء نے فرمایا ہے کہ جب کسی شخص کے پاس ایک دن کا کھانا اور سترِعورَت کے لیے کپڑا موجود ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں، اور اگر یہ نہ ہو تو اس کے لیے سوال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ رہا فقیر اگر وہ طاقت ور اور کمانے والا ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا جائز ہے، لیکن اس کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔''

''تحفة الملوك'' میں ہے:

''الْـمُضْطَر للطعام وَمن اشْتَدَّ جوعهٗ وَعجز عَن كسب قوتهٖ يجب على كل من علم بِحَالهٖ إطعامُهٗ وَإِن لم يعلم بِهٖ أحد يجب عَلَيْهِ اَن يسْاَل وَ يُعلم بِحَالهٖ، فَإِن لم يفعل حَتّٰى مَاتَ، كَانَ قَاتل نَفسهٖ. ضَابِطة جَوَاز السُّؤَال: من لَهٗ قوت

يَوْمِهٖ لَا يحل لَهُ السُّؤال وَ يُبَاح لَهُ الْاَخْذ .''(۱۲)

ترجمہ: ''جو شخص کھانے کا سخت محتاج ہو، جس کی بھوک شدت اختیار کر جائے اور وہ اپنی روزی کمانے سے عاجز ہو، اس کے بارے میں لازم ہے کہ جو بھی اس کے حال سے واقف ہو وہ اسے کھانا کھلائے۔ اور اگر اس کے حال سے کوئی واقف نہ ہو تو اس پر خود لازم ہے کہ وہ سوال کرے اور لوگوں کو اپنی حالت سے آگاہ کرے، پس اگر وہ ایسا نہ کرے یہاں تک کہ مر جائے تو وہ اپنے نفس کا قاتل شمار ہوگا۔ سوال کے جائز ہونے کا ضابطہ یہ ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو، اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں، البتہ اس کے لیے لینا جائز ہے۔''

''بدائع'' میں ہے:

''فإن لم يكن لهٗ قوت يومهٖ ولا ما يستر بهٖ عورتهٗ يحل لهٗ أن يسأل؛ لأن الحال حال الضرورة وقد قال الله تعالٰى: ''وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ'' وترك السؤال في هٰذا الحال إلقاء النفس في التهلكة وإنهٗ حرام فكان لهٗ أن يسأل بل يجب عليه ذٰلك.''(۱۳)

ترجمہ: ''اگر اس کے پاس نہ ایک دن کا کھانا ہو اور نہ سترِ عورت کے لیے کپڑا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ حالت ضرورت کی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَلَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ'' اور اس حالت میں سوال چھوڑ دینا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، اور یہ حرام ہے، لہٰذا اس کے لیے سوال کرنا جائز ہی نہیں، بلکہ واجب ہے۔''

کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت کے باب میں تو یہ معیار ہے، البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اوقات قرض وغیرہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے لیے سوال کرنے کی گنجائش ہے، چنانچہ ''مسند احمد'' میں ہے:

''عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ: " إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ: لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ، اَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ، اَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ .''(۱۴)

ترجمہ: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک سوال کرنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لیے جائز ہے: اُس شخص کے لیے جو انتہائی تنگ دست ہو، یا اُس شخص کے لیے جو بھاری قرض میں گھرا ہو، یا اُس شخص کے لیے جس پر خون (دیت) کا بوجھ ہو۔''

''الموسوعة الفقهية الكويتية'' میں ہے:

''ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلٰى اَنَّ مَنْ تَحَمَّل بِسَبَبِ إِتْلَافِ نَفْسٍ اَوْ مَالٍ، دِيَةً اَوْ

مَالاً لِتَسْكِيْنِ فِتْنَةٍ وَقَعَتْ بَيْنَ طَائِفَتَيْنِ يَجُوْزُ لَهُ اَنْ يَّسْاَلَ حَتّٰى يُؤَدِّيَ.‘‘(۱۵)

ترجمہ: ’’فقہاء کرام کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ جس شخص نے کسی نفس یا مال کی تلفی کی وجہ سے، یا دو گروہوں کے درمیان پیدا ہونے والی فتنہ انگیزی کو ختم کرنے کے لیے کوئی دیت یا رقم اپنے ذمے لی ہو، تو اس کے لیے (لوگوں سے) سوال کرنا جائز ہے، یہاں تک کہ وہ اسے ادا کردے۔‘‘

بھکاری کو دینے کا حکم اور اس کی مختلف صورتیں

خدا کی رضا کے لیے کچھ دینا اصلاً صدقہ ہے جو کہ سنت ہے، چاہے مانگنے والے کو دیا جائے یا یوں ہی مانگے بغیر کسی کو کچھ دیا جائے، دونوں کے متعلق قولی اور فعلی روایات موجود ہیں جس سے سنیت اور استحباب ثابت ہوتا ہے، اس لیے جہاں تک ہو سکے، صدقہ دینے کا اہتمام کرنا چاہیے۔ تاہم اگر مانگنے والے کو کچھ دینے کی صورت میں شرعی مفاسد کا اندیشہ ہو تو جس قدر مفسدہ اور اس کا خطرہ ہوگا، اس کے مطابق دینے میں کراہت وشناعت پیدا ہوگی۔ اس موقع میں عام طور پر جن مفاسد کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ یہ ہیں:

۱: مانگنے والے کی حالت ایسی نہ ہو جس کے لیے شرعاً مانگنے کی اجازت ہو، مثال کے طور پر اس کے پاس ایک دن رات کا ضروری کھانا موجود ہو، یا اس کی قیمت دستیاب ہو، یا کمانے کی طاقت موجود ہو۔

۲: قوی خدشہ ہو کہ دینے کی صورت میں بھیک مانگنے کی عادت پڑ جائے گی اور آئندہ موقع بے موقع مانگنے پر جری ہو جائے گا۔

۳: سوال کرنے کا انداز درست نہ ہو، مثال کے طور اصرار کے ساتھ مانگتا ہو کہ مخاطب مجبور ہو کر خواہ مخواہ کچھ دے دے، مسجد میں صفیں پھلانگ کر مانگے، اپنی حالت بیان کرنے میں جھوٹ سے کام لے، وغیرہ۔

۴: رقم حاصل کر کے ناجائز کاموں میں صرف کرتا ہو، چنانچہ نشہ کے عادی افراد کو دینے میں عام طور پر یہی اندیشہ رہتا ہے۔

یہ، اور ان جیسے مفاسد کا اندیشہ ہو، تو دینے کا شرعی حکم کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اکثر فقہائے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ایسی حالت میں کچھ دینا ممنوع ہے۔ بعض نے اس کو ’’حرام‘‘ سے بھی تعبیر فرمایا ہے۔ ’’فتاویٰ بزازیہ‘‘ میں ہے:

’’المختار أن السائل إذا كان لا يمر بين يدي المصلي ولا يتخطى رقاب الناس ولا يسأل الناس إلحافاً ويسأل لأمر لا بد منه لا بأس بالسؤال

والإعطاء.''(۱۶)

ترجمہ: ''صحیح بات یہ ہے کہ سائل (بھیک مانگنے والا) نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے، لوگوں سے اصرار کے ساتھ سوال نہ کرے، اور صرف اس امر کے لیے سوال کرے جس کی اُسے سخت ضرورت ہو، تو ایسی صورت میں سوال کرنا اور دینا دونوں جائز ہیں۔''

''البحر الرائق'' میں ہے:

''و یکرہ التصدق علی الذي یسأل الناس في المساجد زجراً لهٗ.''(۱۷)

ترجمہ: ''جو شخص مسجد میں مانگے، اسے زجر وممانعت کی غرض سے صدقہ دینا مکروہ (ممنوع) ہے۔''

''تحفة الملوك'' میں ہے:

''السُّؤال فِي الْمَسْجِد والسائل فِي الْمَسْجِد: قیل: یحرم إِعْطَاؤهٗ وَالْمُخْتَار أنهٗ إِذا كَانَ لَا یتخطّٰی رِقَاب النَّاس وَلَا یمرّ بَین یَدي الْمُصَلِّین وَلَا یسْأَل النَّاس إلحافاً یُبَاح إِعْطَاؤهٗ وَإِن كَانَ یفعل وَاحِدَة من هٰذِه الثَّلَاثَة یحرم إِعْطَاؤهٗ.''(۱۸)

ترجمہ: ''مسجد میں سوال کرنا اور مسجد میں سائل (بھیک مانگنے والے) کو دینے کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اسے دینا حرام ہے۔ لیکن مختار اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگتا ہو، نمازیوں کے سامنے سے نہ گزرتا ہو اور لوگوں سے اصرار کے ساتھ سوال نہ کرتا ہو تو اسے دینا جائز ہے۔ اور اگر وہ ان تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بھی کرتا ہو تو اُسے دینا حرام ہے۔''

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ایسے شرعی مفاسد کے وقت سائل کو کچھ دینا مکروہ (ناجائز) ہے، اُصولی نقطۂ نظر سے یہ بات معقول ومتوازن بھی ہے، کیونکہ دینا صدقہ ہے جو اگرچہ عام حالات میں مسنون ہے، تاہم جب کوئی جائز یا مسنون چیز ناجائز چیز کا ذریعہ بن جاتی ہو، وہاں اس چیز کی سنیت واستحباب برقرار نہ رہے گا، بلکہ کراہت پیدا ہوگی۔ تاہم یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ حکم وہاں ہے جب قوی قرائن کی وجہ سے غالب گمان کی حد تک بات پہنچ جائے، دینے والے کا غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں اس بھیک مانگنے والے کو کچھ دوں گا تو فلاں فلاں مفاسد جنم لیں گے، محض خیال یا وہم کی بنیاد پر اس طرح فیصلہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس میں ایک طرف ایک مسلمان کے متعلق بدگمانی کا امکان ہے اور ساتھ صدقہ کے ثمرات سے محرومی بھی ہے۔

بعض آثار میں یہاں تک مضمون بھی آیا ہے کہ اگر کوئی سائل گھوڑے پر سوار ہو کر بھی آئے تو بھی اس کا کچھ نہ کچھ حق بنتا ہے، ''موطا'' میں ہے:

''عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ؛ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ''اَعْطُوْا السَّائِلَ وَ إِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ.''(۱۹)

ترجمہ: ''حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سائل (مانگنے والے) کو دے دو، اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔''

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں:

''قلت: معنى هٰذا الكلام الأمر بحسن الظن بالسائل إذا تعرض لك وأن لا تجبهه بالتكذيب والرد مع إمكان الصدق في أمره، يقول: لا تخيب السائل إذا سألك وإن راقك منظره، فقد يكون له الفرس يركبه ووراء ذلك عيلة ودين يجوز له معهما أخذ الصدقة.''(۲۰)

ترجمہ: ''اس بات کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی سائل آپ کے پاس آئے تو آپ اس کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں، اسے جھٹلائیں یا رد نہ کریں، کیونکہ ہوسکتا ہے اس کی بات سچی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سائل کو نا اُمید نہ کریں اگر وہ آپ سے مانگے، خواہ وہ آپ کو خوشحال نظر آئے۔ ممکن ہے اس کے پاس سواری کے لیے گھوڑا ہو، لیکن اس کے پیچھے (معاشی) تنگی اور قرض ہو جو اس کے لیے صدقہ لینا جائز بنا دیتے ہوں۔''

زکوٰۃ وصدقات مانگنا

جن احادیث میں سوال کرنے اور بھیک مانگنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم میں واضح ہیں اور بھیک کی تمام صورتوں کو عام وشامل ہیں، کسی سے یوں ہی خدا کے نام پر کچھ مانگا جائے، یا زکوٰۃ وصدقہ وغیرہ عنوان کے تحت سوال کیا جائے، سب صورتوں کو یہ نصوص عام ہیں اور بھیک مانگنے کی یہ سبھی صورتیں ناجائز ہیں۔ بہت سے لوگ عام شکل میں بھیک مانگنے کو تو جائز نہیں کہتے، لیکن زکوٰۃ مانگنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے۔

یہ بالکل بے جا اور غلط بات ہے، جس طرح عام شکل میں بھیک مانگنا جائز نہیں ہے، یوں ہی زکوٰۃ کی رقم مانگنا بھی درست نہیں ہے۔ ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے:

''ولا يحل السؤال لمن كان عنده قوت يوم عند البعض، وقال بعضهم:

لا يحل السؤال لمن كان كسوباً أو يملك خمسين درهما ويجوز صرف الزكاة إلى من لا يحل له السؤال إذا لم يملك نصاباً.''(۲۱)

ترجمہ: ''بعض علماء کے نزدیک اس شخص کے لیے سوال (بھیک مانگنا) جائز نہیں جس کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو۔ جبکہ بعض دیگر علماء فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لیے سوال جائز نہیں جو محنت مزدوری کر سکتا ہو یا جس کے پاس پچاس درہم ہوں۔ نیز اگر کسی کے پاس نصاب (شرعی حد) کی مالیت نہ ہو تو اسے زکوٰۃ دینا جائز ہے، خواہ اس کے لیے سوال کرنا جائز نہ ہو۔''

بعض جگہ دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ نفلی عبادات قائم کرنے کے لیے صدقہ وزکوٰۃ کا مطالبہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر حج یا عمرہ کرنے کے لیے لوگوں سے زکوٰۃ وصدقات کا مطالبہ کرتے ہیں، ایسا کرنا جائز نہیں، بلکہ مذموم اور گناہ کی بات ہے۔

کسی کے سامنے اپنی ضرورتیں پیش کرنا

کوئی شخص صاف الفاظ میں بھیک تو نہ مانگے، لیکن کسی صاحبِ حیثیت کے سامنے اپنی عجز وکمزوری بیان کرے، اپنی ضرورتیں پیش کرے اور مقصود یہی ہو کہ وہ توجہ دے کر ان ضرورتوں کی تکمیل کردے، یہ بھی سوال کرنے اور بھیک مانگنے کے مترادف معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فقہی ضابطہ ہے کہ: ''الأمور بمقاصدها.''

کیا ہر سوال ممنوع ہے؟

اس سلسلہ میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سوال کی ممانعت کسی خاص علت کی بنیاد پر فرمائی گئی ہے اور وہ علت ''سوال کرنے'' کے ساتھ ہر حال میں لازم نہیں ہے، لہٰذا شرعی حکم کا مدار اسی علت پر ہونا چاہیے۔ اگر سوال کی کسی خاص شکل میں ممانعت کی وہ بنیاد موجود ہو تو سوال ناجائز تصور ہوگا، ورنہ نہیں، تاہم عزیمت کا راستہ اور توکل کا اعلیٰ درجہ بہرحال یہی ہے کہ مخلوق سے کسی طرح بھی مدد طلب نہ کی جائے، چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''شرح مشکاۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''(فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيْءَ الْمَسْأَلَةَ ") أَيْ: إِذَا كَانَتْ عَلٰى غَيْرِ وَجْهِهَا أَوْ مُطْلَقًا، لِأَنَّ السُّؤَالَ ذُلٌّ فِي التَّحْقِيْقِ وَلَوْ أَيْنَ الطَّرِيْقُ؟''(۲۲)

ترجمہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تم سوال کرو۔'' یعنی

اگر سوال کرنا اس کے صحیح مقام پر نہ ہو، کیونکہ حقیقت میں سوال کرنا ذلت ہے، اگرچہ صرف یہ پوچھنا کہ راستہ کہاں ہے؟۔‘‘

رہا یہ سوال کہ وہ علت ہے کیا؟ تو بعض فقہاء کی عبارات سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ’’تذلیلِ نفس‘‘ اس کی اہم علت ہے۔

چنانچہ ’’الاختیار‘‘ میں ہے:

’’قال: (ومن كان لهٗ قوت يومهٖ لا يحل له السؤال) لقولهٖ عليه الصلاة والسلام: من سأل الناس وهو غني عما يسأل جاء يوم القيامة ومسألتهٗ خدوش أو خموش أو كدوح في وجههٖ ولأنهٗ أذلّ نفسهٗ من غير ضرورة وأنهٗ حرام. قال عليه الصلاة والسلام: لا يحل للمسلم أن يذل نفسهٗ.‘‘(۲۳)

ترجمہ: ’’جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو، اس کے لیے سوال (بھیک مانگنا) جائز نہیں۔ اس کی دلیل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ’’جو شخص لوگوں سے سوال کرے، حالانکہ اسے اس چیز کی ضرورت نہ ہو، تو قیامت کے دن وہ اپنے اس سوال کے اثرات اپنے چہرے پر زخموں، خراشوں یا داغوں کی صورت میں لائے گا۔‘‘ نیز اس لیے کہ اس نے بلاضرورت اپنے آپ کو ذلیل کیا، اور یہ حرام ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔‘‘

’’منحة السلوك‘‘ میں ہے:

’’قوله: (ومن لهٗ قوت يوم: لا يحل له السؤال)، لأنهٗ يستذل نفسهٗ بلاضرورة. وإنهٗ حرام، لقولهٖ عليه السلام: "حرام على المؤمن أن يذل نفسهٗ.‘‘(۲۴)

ترجمہ: ’’جس کے پاس ایک دن کی روٹی ہو، اس کے لیے سوال (بھیک مانگنا) جائز نہیں، کیونکہ اس طرح وہ بلاضرورت اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے، اور یہ حرام ہے۔ اس کی دلیل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: ’’مومن کے لیے اپنے آپ کو ذلیل کرنا حرام ہے۔‘‘

حضرت مولانا فتح محمد تائب صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ’’عطرِ ہدایہ‘‘ میں تحریر فرماتے ہیں:

’’ہر درخواست سوال نہیں، ورنہ لوگوں کے کام رک جائیں گے، بلکہ سوال وہی ہے جو کمالِ عجز و

ابتذال وخساست پر عادۃً وارادۃً مبنی ہو، درج ذیل باتیں ناجائز سوال میں داخل نہیں:
۱- کمالِ بے تکلفی میں۔ ۲- بحقِ قرابت ودوستی وہمسائیگی وشاگردی واستاذی وغیرہ۔ ۳- اتفاقیہ کسی مصیبت میں کسی عالی ہمت سے مدد طلب کرنا۔ ۴- بے وقعت چیزوں کو طلب کرنا جیسے: حقہ، پان، تمباکو، پانی وغیرہ طلب کرنا۔ ۵- کوئی چیز عاریت کے طور پر مانگنا۔ ۶- قرض مانگنا۔ ۷- کسی خدمت یا کام کا سوال کرنا۔ ۸- باہم رشتہ دار یا دوستوں سے بے تکلفی کے تقاضے سے کوئی چیز مانگ لینا، یہ سوال شرعاً ممنوع نہیں، حضور ﷺ نے بعض خدمات واشیاء اپنے مخصوص صحابہ کرامؓ سے طلب فرمائی تھیں۔‘‘(۲۵)

کچھ ناجائز/ نامناسب رویّے

گزشتہ تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ لوگوں سے سوال کرنا بھیک مانگنا اصلاً ممنوع ومذموم ہے، تاہم ایسا کرنا مطلقاً ناجائز نہیں ہے، بلکہ بعض صورتوں میں یہ جائز یا ضروری بھی ہوسکتا ہے، ضروری ہونے کی صورتیں گو بہت ہی نادر اور کمیاب ہیں، تاہم جائز ہونے کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں۔ اب کچھ کوتاہیاں تو خود بھیک مانگنے والوں کی طرف سے وجود میں آتی ہیں اور کچھ غلطیاں ایسی ہیں جن کا تعلق ان افراد کے ساتھ ہوتا ہے جن سے بھیک مانگی جاتی ہے۔ اصلاحِ احوال کے لیے دونوں طبقات کی نمایاں غلطیوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بھیک مانگنے والوں کی طرف سے درج ذیل کوتاہیاں صادر ہوتی ہیں:

①: جن صورتوں میں شرعاً مخلوق سے مانگنے کی اجازت نہیں ہوتی، ان میں کسی سے کچھ مانگنا۔

②: مانگنے کے وقت خلافِ حقیقت حالات/ باتوں کا اظہار کرنا، خواہ وہ زبان سے ہو یا اپنے عمل وکردار کے لحاظ سے ہو۔

③: تھوڑا مال دیا جائے تو اس پر قناعت نہ کرنا، اس کو واپس کردینا۔

④: اصرار وتکرار کے ساتھ مانگنا کہ مخاطب اپنی عزت بچانے کی خاطر کچھ دے دے یا شرما شرمی میں کچھ دینے پر مجبور ہوجائے۔

عام افراد (جن سے بھیک مانگی جاتی ہے) کی جانب سے درج ذیل کوتاہیاں صادر ہوتی ہیں:

①: استطاعت کے باوجود نہ دینا۔

②: مانگنے والے کو جھڑکنا، حالانکہ قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ اس سے منع کیا گیا ہے۔

③: سائل کو بھلا بُرا کہنا، اس کی ہتکِ عزت کرنا، عار دلانا، احسان جتلانا۔

④: سائل کو ذلیل اور کمتر خیال کرنا۔

حوالہ جات

١ – إتحاف ذوي المروة والإنافة بما جاء في الصدقة والضيافة ، ص: ١٤٢
٢ – صحيح مسلم، كتاب الزكاة، بَابُ كَرَاهَةِ الْمَسْأَلَةِ لِلنَّاسِ، ج:٢ ، ص:٧٢٠
٣ – صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب الاستعفاف عن المسألة، ج:٢ ، ص:١٢٣
٤ – شعب الإيمان للبيهقي، الزكاة، فصل في الاستعفاف عن المسئلة، ج:٥ ، ص:١٦٣
٥ – سنن أبي داود، كتاب الزكاة، بَابُ مَنْ يُعْطِي مِنَ الصَّدَقَةِ، وَحَدُّ الْغِنَى، ج:٢ ، ص:١١٦
٦ –إتحاف ذوي المروة والإنافة بما جاء في الصدقة والضيافة ، ص: ١٤٣
٧ – صحيح ابن حبان، باب صدقة التطوع، ذِكْرُ الْخِصَالِ الْمَعْدُودَةِ الَّتِي أُبِيحَ لِلْمَرْءِ الْمَسْأَلَةُ مِنْ أَجْلِهَا، ج:٨ ، ص:١٨٨

٨ –غناء کی وہ کونسی مقدار ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی کے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں ہے؟ اس کے بارے میں روایات میں مختلف الفاظ وارد ہوئے ہیں، بعض میں پچاس درہم کا ذکر ہے، بعض میں ایک دن رات کھانے کا ذکر ہے، بعض میں چالیس درہم، بعض میں دوسو درہم، جبکہ بعض میں اوقیہ کا ذکر ہے، ان مختلف روایات میں تطبیق کیوں کر دی جائے؟ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

معارف السّنن، باب من تحلّ له الزّكاة، ج:٥، ، ص:٢٥٩. ومنهاج السّنن، باب من تحلّ له الزّكاة، ج:٣ص ١٦٤

البتہ فقہائے حنفیہ نے بالعموم ایک دن یا ایک دن رات کے کھانے کا ذکر کیا ہے اور اس پر بھیک مانگنے کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار رکھا ہے، جیسا کہ اِس تحریر میں درج شدہ فقہی عبارات سے واضح ہوجاتا ہے، جبکہ یہ ضابطہ مسلم ہے کہ نصوص کے معانی ومفاہیم کو حضرات فقہائے کرام اور مجتہدین عظام ہی بہتر جانتے ہیں اور شرعی احکام کا استخراج واستنباط انہی کا حصہ ہے۔

٩ – یہ قید متعدد حدیثی روایات اور فقہی نقول کی بنا پر لگائی گئی ہے، مثال کے طور پر ''سنن ابی داوٗد'' میں ہے:
سنن أبي داود، ت: الأرنؤوط (٣/ ٧٥):

" عن عُبيد الله بن عَديّ بن الخِيار أخبرني رجلان: أنهما أتيا النبيَّ صلَّى الله عليه وسلم في حجَّة الوَدَاع وهو يقسِمُ الصدَقة، فسألاه منها، فرقَّع فينا البصرَ وخفَّضَهُ، فرآنا جَلدَين، فقال: "إنْ شِئتُما أعطيتكما، ولا حَظَّ فيها لغِنيّ ولا لقويّ مُكتسب."

''الاختيار لتعليل المختار: (١/ ١٢٢)'' میں ہے:

"واعلم أن الغني على مراتب ثلاثة: غني يحرم عليه السؤال، ويحل لهُ أخذ الزكاة، وهو أن يملك قوت يومه وستر عورته ؛ وكذلك الحكم فيمن كان صحيحا مكتسبا."

١٠ – فتاوى قاضي خان، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، ج:١ ، ص:١٣٠
١١ – تحفة الفقهاء، كتاب الزكاة، باب من يوضع فيه الصدقة، ج:١ ، ص:٣٠٢
١٢ – تحفة الملوك، فصل في الميت، ، ص:٢٧٤
١٣ – بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، كتاب الزكاة، فصل الذي يرجع إلى المؤدى إليه، ج:٢ ، ص:٤٩
١٤ – مسند أحمد، ط: الرسالة، مسند المكثرين من الصحابةؓ، ج:١٩ ، ص:٢٩٦
١٥ – الموسوعة الفقهية الكويتية، أحكام الحمالة، إباحة السؤال لأجل الحمالة، ج:١٨ ، ص:١٢٤
١٦ – الفتاوى البزازية، كتاب الصلاة، الثالث والعشرون في الجمعة، ج:١، ص:٣٩، قديمي

١٧- البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة، كتاب الكراهية، فصل في البيع، ج:٨ ، ص:٢٣٥
١٨- تحفة الملوك، فصل في الميت، ج:١ ، ص:٢٧٤
١٩- موطأ مالك، ت: الأعظمي، الترغيب في الصدقة، ج:٥ ، ص:١٤٥٠
٢٠- معالم السنن، كتاب الزكاة، ومن باب حق السائل، ج:٢ ، ص:٧٥
٢١- فتاوى قاضي خان، كتاب الزكاة، فصل فيمن توضع فيه الزكاة، ج:١ ، ص:١٣٠
٢٢- مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب من لا تحل له المسألة ومن تحل لهٗ، ج:٤، ص:١٣١٥
٢٣- الاختيار لتعليل المختار، كتاب الزكاة، فصل في الكسب، ج:٤ ، ص:١٧٦
٢٤- منحة السلوك في شرح تحفة الملوك، كتاب الكسب والأدب، ج:١ ، ص:٤٧٥
٢٥- عطرِ ہدایہ،ص:۳۵۵،مخرّج ومحقّق.

ایصالِ ثواب کی درخواست

۱۳؍رمضان المبارک ۱۴۴۷ھ مطابق ۳؍مارچ ۲۰۲۶ء بروز منگل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شاخ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملیر کے نگران واستاذِ حدیث اور محدث العصر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت مولانا سالک ربانی صاحب نور اللہ مرقدہٗ انتقال فرما گئے، إنا لله و إنا إليه راجعون، إن لله ما أخذ ولهٗ ما أعطٰى و كل شيئ عندهٗ بأجل مسمّٰى ، اللّٰهم اغفر لهٗ وارحمه وعافه واعف عنه وأكرم نزلهٗ . آمين.

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی کامل مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے، تمام دینی خدمات کو قبول فرمائے، حضرتؒ کے صاحبزادگان اور تمام پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔ بینات کے تمام باتوفیق قارئین سے حضرتؒ کے لیے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ تفصیلی مضمون آئندہ شمارہ میں شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ

قدیم کتب خانوں کی تاریخ اور جدید ڈیجیٹل نظام

مولانا ارشاد احمد سالارزئی
استاذِ جامعہ

علم؛ انسان کی فکری اور ذہنی نشوونما کا بنیادی ذریعہ ہے، اور علم تک رسائی کے لیے لائبریری کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ لائبریری وہ مقدس جگہ ہے جہاں صدیوں کا جمع شدہ علم محفوظ ہوتا ہے اور جہاں تشنگانِ علم اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ یہ صرف کتابوں کا ذخیرہ نہیں بلکہ فکر و تحقیق، مطالعہ اور شعور کی آماجگاہ ہے۔ کسی بھی معاشرے کی علمی ترقی کا اندازہ اس کی لائبریریوں کی حالت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

لائبریری انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کی جڑیں اور بنیادیں لاطینی زبان سے ماخوذ ہیں، یہ ''لاطینی'' زبان کے لفظ ''لائبر'' سے بنا ہے، اس کا معنی ہے: ''کتاب'' (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، مادہ: لائبریری۔ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، مادہ: لائبریری) اردو و فارسی میں اسے کتب خانہ اور عربی میں ''مکتبة'' یا ''دار الکتب'' کہا جاتا ہے۔ لائبریری ایک ایسی جگہ ہے جہاں کتابیں، رسائل، اخبارات اور دیگر معلوماتی مواد جمع کیا جاتا ہے۔ لائبریری علم وفکر کا عظیم مرکز ہے، جہاں صدیوں کی علمی وفکری میراث محفوظ ہوتی ہے۔ یہاں الہامی کتب، مفسرین ومحدثین کی تصانیف، محققین ومفکرین کی تحقیقات، اور اُدباء وشعراء کی تحریریں یکجا ملتی ہیں۔ لائبریری میں آنے والا فرد اہلِ علم کی فکری روشنی سے مستفید ہوکر اپنے ذہن ودل کو منور کرتا ہے۔

لائبریریوں کی تاریخ

لائبریریوں کی تاریخ جہاں دلچسپ ہے، وہیں سبق آموز بھی ہے۔ دنیا کی سب سے پہلی لائبریری کب وجود میں آئی؟ شاید اس کا کوئی حتمی جواب نہ مل سکے؛ کیونکہ روز بروز ہونے والی تحقیقات سے

کچھ نیا ہی نتیجہ نکل رہا ہوتا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ لائبریریوں کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانی تہذیب قدیم ہے۔ شروع سے ہی انسان نے ہر دور میں حاصل ہونے والے علم کا ریکارڈ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لائبریریوں کا آغاز سب سے پہلے اس وقت سے ہوا جب لوگوں کے پاس لکھنے کے لیے کاغذ قلم نہ تھا، اور وہ مٹی کی تختیوں، چمڑے اور ہڈیوں پر تحریر کو محفوظ کرتے تھے۔ آج جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے اور ڈیجیٹل لائبریریوں نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آشور بنی پال، سکندریہ لائبریری، عیسائیوں، ایرانی، ساسانی، یونانی، رومی کتب خانے، عربوں کے کتب خانے یورپ اور برصغیر کے حکمرانوں کے کتب خانے بہت مشہور ہیں۔ قدیم دور کے کتب خانوں میں آشور بنی پال، کتب خانہ سکندریہ اور کتب خانہ پرگامم قابل ذکر ہیں۔ آشور بنی پال کی لائبریری میں اس وقت کا لکھا گیا زیادہ تر ادب موجود تھا۔ (۱)

مصر کے نئے حکمران خاندان نے اقتدار سنبھالنے کے بعد سکندریہ کو دانش وروں کا شہر بنا دیا۔ اس خاندان کے حکمرانوں کو علم وفن سے بہت زیادہ محبت تھی اور مصر کے قدیم علمی خزانوں کو دوبارہ دریافت کر کے دنیا کے لیے مفید بنایا تھا، اگرچہ فرعونوں نے بھی سقارا میں عظیم اہرام تعمیر کر کے دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اب سکندریہ نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور اس کے علم وکمال نے دنیا کو اپنی طرف کھینچا تھا، سکندریہ کی مشہور لائبریری ''ٹالمی اول'' نے شروع کی اور ''ٹالمی دوم'' کے دورِ حکومت میں مکمل ہوئی۔ ٹالمی دوم نے اپنے ماتحت ریاستوں کے حکمرانوں اور مختلف علوم کے علماء کو دعوت دی کہ اس عظیم لائبریری کے لیے کتابیں جمع کریں اور علماء کتابیں تحریر کریں، زیادہ تر کتابیں خریدی گئیں اور مختلف علوم کی بہت سی کتابیں علماء سے تحریر کروائی گئیں۔ کچھ تاریخ دانوں کا کہنا ہے کہ سکندریہ کی لائبریری میں کئی لاکھ کتابیں تھیں۔ سٹرابو لکھتا ہے کہ قدیم ''ڈورک'' زبان اور قدیم یونانی زبان میں لکھی گئی کتابیں جو کہ نامور شاعروں اور فلسفیوں کی تھیں، رہوڈس کے بازار سے سونے کے ساتھ تول کر خریدی گئیں اور ان کتابوں کے عوض سونا دیا گیا تھا۔ (۲)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دنیا کا پہلا منظم کتب خانہ سکندریہ تھا اور اس میں منہ مانگی قیمت پر کتب خرید کر رکھی جاتی تھیں، اس میں رکھے گئے مواد کو مضامین کے اعتبار سے رکھا جاتا تھا۔ اس کا قیام ۳۲۳ ق-م میں مصر میں عمل میں آیا اور اس میں ذخیرۂ کتب ۹ رلاکھ تھا۔ یونانی کتب خانوں میں کتب خانہ ارسطو، کتب خانہ افلاطون اور پرگامم کا کتب خانہ قدیم ترین ہیں۔

افلاطون کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کے پاس بھی ایک شاندار کتب خانہ موجود تھا، مگر اس کی وفات کے بعد وہ کہاں گیا؟! کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، البتہ ارسطو کے کتب خانے کے حوالے سے تاریخی

شواہد موجود ہیں۔ یہ کتب خانہ سینکڑوں کتابوں پر مشتمل تھا جو کہ ایک اندازے کے مطابق ۴ سو رولز پر مشتمل تھا۔ نجی کتب خانوں کا بانی ارسطو کو کہا جاتا ہے۔ ارسطو نے کتب خانوں کی تنظیم وترتیب سائنسی بنیادوں پر رکھنا شروع کی تھی۔ قدیم یونان کا دوسرا اہم ترین کتب خانہ پرگامم ہے جسے اتالوسی دوم نے ۱۳۷ء سے ۱۵۹ء تک قائم کیا۔ پرگامم کا مواد پیپرس رولز اور پارجمنٹ پر مشتمل تھا اور یہ ذخیرہ دو لاکھ کے لگ بھگ تھا۔ یونانی کتب خانوں میں ادب، تاریخ، سائنس، ریاضی، فلسفہ، سیاسیات اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر ذخیرۂ کتب زیادہ تھا۔

سرزمینِ روم میں عوامی کتب خانے، نجی کتب خانے اور مخصوص کتب خانے موجود تھے۔ ۳۶۰ء سے ۳۷۰ء تک روم میں ۲۸ عوامی کتب خانے موجود تھے۔ روم کے یہ تمام کتب خانے ۱۶ویں صدی تک نیست و نابود ہو گئے۔ چوتھی یا پانچویں صدی عیسوی میں برِصغیر میں کتب خانے موجود تھے۔ کتب خانہ نالندہ یونیورسٹی، وکرم شلا اور سرسوتی بھنڈار برصغیر کے قدیم کتب خانے ہیں۔ پرانے زمانوں کے عظیم کتب خانوں کی دو اہم خصوصیات: علم دوستی، اور حکمرانوں کی ذاتی دلچسپی اور ان کی ترتیب و تنظیم میں ہم آہنگی تھی۔

دنیا کی دس مشہور بڑی لائبریریاں

ایسی لائبریریاں بنانا جہاں علم وحکمت ایک عام آدمی کی دسترس میں آجائے، یہ یقیناً نوعِ انسان کی ایک بہت بڑی کاوش ہے، دنیا کی چند بڑی اور چند دلچسپ لائبریریوں کے نام پیشِ خدمت ہیں:

۱-امریکی کانگریس کی لائبریری۔ ۲-برٹش لائبریری لندن انگلینڈ۔ ۳-نیویارک پبلک لائبریری نیویارک۔ ۴-رشین اسٹیٹ لائبریری۔ ۵-نیشنل لائبریری آف رشیا۔ ۶-نیشنل ڈائٹ لائبریری جاپان۔ ۷-نیشنل لائبریری آف چائنا۔ ۸-نیشنل لائبریری آف فرانس۔ ۹-بودلیئن لائبریری، آکسفورڈ برطانیہ۔ ۱۰-بوسٹن پبلک لائبریری۔ (۳)

ترکی کی عظیم الشان لائبریری

ترکی جہاں اہلِ علم کا مرکز ہے، وہیں دینی کتب و دلکش لائبریریوں کا مظہر بھی ہے، ترکی صدارتی کمپلیکس میں بنائی گئی لائبریری میں ۴۰ لاکھ سے زائد کتابیں رکھی گئی ہیں، جبکہ وہاں ۵ ہزار افراد بیک وقت مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ''ترکی اردو'' کی رپورٹ کے مطابق انقرہ کی اس عظیم الشان لائبریری میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ الیکٹرانک اور ساڑھے ۵ لاکھ ای کتب کے ساتھ ساتھ تاریخی دستاویزات بھی موجود ہیں، جہاں بیک وقت ۵ ہزار افراد مطالعہ کر سکتے ہیں، صدارتی کمپلیکس کا کل رقبہ ۱۲۵ ہزار مربع میٹر ہے، جس کی تعمیر کا آغاز

۲۰۱۶ء میں کیا گیا تھا۔ (۴)

لائبریریوں کی اہمیت

لائبریری علم وفکر اور تعلیم وتعلم کا مظہر ومرکز ہے۔ ''کتب'' سفاہت سے معرفت، جہالت سے علم اور ظلمات سے نور کی طرف لے جاتی ہیں، کسی بھی قوم کو کسی بھی میدان میں عملی تجربات سے قبل نظریات اور اصول چاہئیں، جن کی حفاظت وترویج گاہیں لائبریریز ہیں، جن کی اہمیت وافادیت کو مہذب قوموں نے ہر دور میں تسلیم کیا ہے۔ اہلِ علم کسی ملک میں پائی جانے والی لائبریریز کو اس ملک کی ثقافتی، تعلیمی اور صنعتی ترقی کا نہ صرف پیمانہ بلکہ قومی ورثہ قرار دیتے ہیں۔ اگر کسی ملک کی ترقی کا جائزہ لینا ہو تو وہاں پر موجود تعلیمی اداروں کو دیکھا جائے اور تعلیمی اداروں کی ترقی کا جائزہ لینا ہو تو وہاں پر موجود لائبریریوں کو دیکھا جائے۔ جہاں لائبریریاں آباد ہوں گی وہاں تعلیمی ادارے بھی اسی قدر تعلیم وتحقیق میں فعال ہوں گے، جس کا لازمی نتیجہ ملک کی معاشی ومعاشرتی ترقی اور عوام کی خوشحالی ہے۔

تاریخ بھی اُنہی قوموں کا احترام کرتی ہے جو اپنے علمی سرمائے کی حفاظت کرنا جانتی ہیں۔ مہنگائی کے اِس دور میں نئی کتابیں خریدنا مشکل سے مشکل تر ہوتا جا رہا ہے، اس لیے ذاتی لائبریری بنانا بھی ناممکن ہوتا جا رہا ہے، اس اعتبار سے بھی لائبریریوں کی اہمیت کہیں بڑھ جاتی ہے، پھر ہر انسان کی اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا ذوق ہوتا ہے۔ بعض تاریخی کتابیں پسند کرتے ہیں۔ بعض ادبی، بعض سیاسی اور بعض دینی کتابوں کا شوق رکھتے ہیں۔ ایک لائبریری میں مختلف موضوعات سے متعلق کتابیں ہوتی ہیں اور ایک موضوع پر بہت سی کتابیں مل جاتی ہیں اور انسان بیک وقت ایک موضوع پر ہر قسم کے خیالات سے استفادہ کر سکتا ہے۔ لائبریری کی افادیت کو بیان کرنے کے لیے تجزیے، تحقیق، رائے کے علاوہ اور بھی بہت سے ذریعے ہیں، مگر مختصراً یہ کہ جیسے ہر شے کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لیے ایک ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح کتابی کلچر کے بڑھنے کے لیے معاشرے میں لائبریریوں کی ضرورت ہے۔

لائبریریوں کی ضرورت

لائبریری علم وفکر، تعلیم وتحقیق کی بنیاد ہے جو جہالت اور تاریکی سے علم اور روشنی کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ مہذب اقوام کے ہاں لائبریریاں ثقافتی، تعلیمی اور سماجی ترقی کا پیمانہ ہوتی ہیں؛ کیونکہ تعلیمی اداروں کی کارکردگی بڑی حد تک ان کی لائبریریوں سے وابستہ ہوتی ہے۔ مہنگائی کے دور میں ہر طالب علم کے لیے کتابیں خریدنا مشکل ہے، اس لیے لائبریریوں میں مختلف موضوعات کی معیاری کتب آسانی سے مل جاتی ہیں۔ لائبریری صرف مطالعہ کی جگہ نہیں، بلکہ فکری تبادلۂ خیال، مکالمے اور تجزیے کا ماحول بھی مہیا کرتی

ہے، جہاں طلبہ ایک دوسرے سے سیکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کتابی ثقافت کے فروغ، فکری نشوونما اور معاشرتی ترقی کے لیے لائبریریوں کا وجود ناگزیر ہے۔

گھر میں لائبریری کے فوائد

دنیا میں کوئی والدین ایسے نہیں جو یہ چاہیں کہ ان کی اولاد علم میں بلند مقام حاصل نہ کرے۔ ہر ماں باپ کی آرزو ہوتی ہے کہ ان کے بچے اپنا قیمتی وقت علمی سرگرمیوں میں صرف کریں۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے گھر میں ایک خوبصورت، دلکش اور پُرسکون لائبریری کا ہونا بے حد ضروری ہے، جہاں مستند، مفید اور غیر اخلاقی مواد سے پاک کتب موجود ہوں۔ ایسی لائبریری نہ صرف بچوں کی علمی اور فکری نشوونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے؛ بلکہ ان کے ذوقِ مطالعہ کو بھی نکھارتی ہے اور ذہن و دل میں روشنی بکھیرتی ہے۔ گھر میں لائبریری کے چند فوائد پیشِ خدمت ہیں:

❶- گھر میں لائبریری بچوں کی اخلاقی تربیت اور مثبت رویوں کو فروغ دیتی ہے۔

❷- یہ بچوں میں علم دوستی اور سیکھنے کا رجحان پیدا کرتی ہے۔

❸- لائبریری بچوں کی ذہنی استعداد اور صلاحیتوں کو بڑھانے میں مددگار ہوتی ہے۔

❹- کم عمری میں کتابوں سے آشنائی طویل مدتی علمی اور فکری صلاحیتیں پیدا کرتی ہے۔

❺- گھر کی لائبریری کا اثر ایسا ہوتا ہے جیسے بچوں نے کئی سال کی اضافی تعلیم حاصل کرلی ہو۔

❻- لائبریری میں پروان چڑھنے والے بچوں کا علم ہم عمر بچوں سے زیادہ ہوتا ہے۔

❼- یہ بچوں کو بری صحبت سے بچانے اور مثبت فکری نشوونما دینے میں معاون ہے۔

❽- تحقیق کے مطابق، جن گھروں میں ۸۰ یا اس سے زیادہ کتابیں موجود ہوں، وہاں نوجوانوں کے پڑھنے کی صلاحیت، ہندسوں کا علم اور دیگر معلومات نمایاں بہتر ہوتے ہیں۔

❾- لائبریری بچوں کی تخلیقی سوچ اور تجزیاتی صلاحیت کو فروغ دیتی ہے، اور انہیں اپنی رائے قائم کرنے اور مختلف نظریات پر غور وفکر کرنے کا موقع فراہم کرتی ہے۔

والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کی علمی وفکری نشوونما کے لیے گھر میں زیادہ سے زیادہ کتابیں رکھیں۔

لائبریری اور کتب کی درجہ بندی

لائبریری میں درجہ بندی (classification) ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے، اگر کتب کی ترتیب درست نہ ہو اور مواد بکھرا ہوا ہو تو لائبریری کے فوائد وثمرات کماحقہ حاصل نہیں ہو سکتے، درجہ بندی

دراصل اس علمی عمل کا نام ہے، جس کے تحت مختلف اقسام کی اجناس، یا علوم میں امتیاز اور تفریق چند خصوصیات کی بنیاد پر کی جائے، یعنی کتابوں یا دیگر موجود مواد کو کسی خاصیت کی بنا پر الگ الگ کرنا، جیسے علوم کے مطابق کتب کو الگ الگ خانوں میں رکھنا، اس طرح فقہ کی کتب الگ اور حدیث کی کتب الگ ہوجائیں گی، اسی طرح زبان وار، ملک وار، یا فن وار، یا مصنفین کی ترتیب پر الگ الگ رکھا جائے۔

لائبریرین کی خصوصیات

لائبریری کے لیے ایک نگران کی ضرورت ہوتی ہے جو اُن کی دیکھ بھال، صفائی ستھرائی، ترتیب و تنظیم کا خیال رکھے، کیوں کہ لائبریرین کے بغیر لائبریری کا نظام کامیاب نہیں ہوسکتا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کے لیے ایسا منتظم رکھا جائے جو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہو:

①- وہ شخص خود کتب بینی کا شغف رکھتا ہو؛ کیوں کہ یہ کام ذوق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

②- اسے لائبریری میں موجود تمام کتابی اور غیر کتابی مواد سے کلّی طور پر شناسائی ہو۔

③- مختلف فنون وعلوم کی کتابوں کے مصنفین کے ناموں سے شناسائی رکھتا ہو۔

④- قارئین کے مزاج، ذوق وشوق سے آگاہی رکھتا ہو۔

⑤- لائبریری کے مواد کا انتخاب اور اس کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

⑥- اس میں قارئین کے سوالات کا تجزیہ کرنے اور احسن طریقے سے اس کا حل نکالنے کی قابلیت ہو۔

⑦- قارئین کے لائبریری کے استعمال اور مواد سے مستفید ہونے میں خوش دلی سے مدد اور تعاون کرتا ہو۔

⑧- لائبریرین اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ملنساری اور صبر وتحمل جیسی خوبیوں سے سرشار ہو۔

اسلاف کا کتب بینی سے شغف

دینی علوم کا عظیم سرمایہ ہمیں جن بزرگوں کے ذریعے ملا ہے، انہوں نے کس قدر تکالیف ومصائب برداشت کرکے یہ عظیم سرمایہ ہم تک پہنچایا ہے، اگر ماضی کے دریچوں میں جھانک کر دیکھیں تو ان لوگوں کی قربانیاں پڑھ کر انسانی عقل حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتی ہے، یقیناً یہ لوگ علم دوست تھے، چناں چہ یہاں ان اَسلاف کے چند واقعات نقل کیے جاتے ہیں:

● امام احمد بن محمد المقری جو زبردست محدث تھے، آپ کو ایک کتاب سے حوالہ نقل کرنے کے لیے ۷۰ دن کا سفر کرنا پڑا۔ خود فرماتے ہیں کہ وہ کتاب اس حالت میں تھی کہ: ''ولو عَرَضتُ علی خَبَّازٍ بِرَغیفٍ لم یقبَلْھا'' یعنی اگر وہ کتاب کسی نان بائی کو دے کر ایک روٹی بھی خریدنا چاہتے تو شاید وہ اسے قبول نہ کرتا۔ (۵)

● خطیب تبریزیؒ کو عربی زبان وقواعد پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ ان کو ایک مرتبہ ابومنصورؒ کی کتاب ''تهذيب اللغة'' کہیں سے مل گئی۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اس کتاب کے مندرجات کو کسی ماہرِ زبان سے تحقیقی طور پر سمجھیں، لوگوں نے ابوالعلاء المعری کا نام پیش کیا۔ آپ نے کتاب تھیلے میں ڈالی، اس تھیلے کو بغل میں لٹکایا اور تبریز سے ''معرۃ'' کی جانب چل پڑے۔ آپ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ سواری کا انتظام کر سکتے۔ ''فنَفَذَ العِرقُ مِن ظَهرِهٖ إليها فأثَّرَ فيها البَلَلُ، وهي ببعض الوقوف ببغداد، وإذ رآها مَن لايعرف صورة الحال فيها ظنَّ أنّها غريقةٌ، وليس بها سوٰى عِرقِ الخطيب المذور'' اس لیے دھوپ میں پیدل چلنے سے پسینہ آیا اور اس کا اثر تھیلے اور کتاب تک پہنچا، نتیجتاً کتاب پسینہ سے تر ہوگئی۔ اب اگر کوئی اس کتاب کو دیکھتا اور اسے صحیح صورت حال کا پتہ نہ ہوتا تو وہ یہی خیال کرتا کہ شاید پانی میں بھیگ گئی ہے، حالانکہ اس پر صرف خطیب تبریزی کا پسینہ تھا۔ (۶)

● حضرت علی بن احمدؒ کے پاس ''الجمهرة في علم اللغة'' کا ایک بہت ہی عمدہ نسخہ تھا، ایک مرتبہ غربت نے اسے بیچنے پر مجبور کر دیا، شریف مرتضیٰ ابوالقاسم نے ۶۰ دینار میں خرید لیا، جب اس کا ورق پلٹا تو اس پر ابوالحسن کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار نظر آئے، جن کا ترجمہ یہ ہے: ''میں ۲۰ سال تک اس کتاب سے مانوس رہنے کے بعد آج اس کو بیچ رہا ہوں، اس کے چھوٹ جانے سے میرا غم بہت بڑھ گیا ہے۔ قرضوں کی وجہ سے اگر عمر قید بھی ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی، مگر یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی اس کو بیچنا پڑے گا، لیکن کیا کروں؟! کمزوری، ناداری اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے حالات نے یہ دن دکھائے۔ میں بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکا اور کسی دل جلے غمزدہ کی طرح یوں کہا: ضرورت کبھی کبھی عمدہ چیزوں کو اپنے آقا سے جدا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے، حالانکہ وہ انہیں اپنے پاس سے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ (۷)

شریف مرتضیٰ نے جب کتاب پر لکھے ہوئے یہ اشعار پڑھے تو اس کا دل بھر آیا اور اس نے کتاب کا نسخہ واپس کر دیا اور دینار اُن ہی کے پاس رہنے دیے۔

اسلام کی روشن تاریخ ایسے بیسیوں واقعات سے بھری پڑی ہے جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ

دینی علوم کی تدوین وتالیف، پُرفضا وشاداب مقامات، نہروں کے کنارے یا سایہ دار درختوں کی چھاؤں میں بیٹھ کر نہیں ہوئی، بلکہ یہ کام خواہشات کی قربانی دے کر ہوا ہے، اس کے لیے سخت گرمیوں میں پیاس کی ناقابلِ برداشت تکالیف اُٹھانی پڑی ہیں اور رات بھر ٹمٹماتے چراغوں کے سامنے جاگنا پڑا ہے۔

ڈیجیٹل لائبریری کا آغاز وارتقا

آج کا دور ڈیجیٹل دور کہلاتا ہے، جہاں ہر چیز تک رسائی محض انگلیوں کی ایک جنبش سے ممکن ہو چکی ہے۔ موبائل فون، لیپ ٹاپ، ٹیبلٹ اور کمپیوٹر کے ذریعے نہ صرف معلومات کا حصول آسان ہوا ہے، بلکہ دنیا بھر سے رابطہ بھی لمحوں میں ممکن ہو گیا ہے۔ تعلیم، تجارت، طب، زراعت، سیاحت اور تفریح جیسے تمام شعبوں میں نمایاں ترقی ٹیکنالوجی کی مرہونِ منت ہے۔

ڈیجیٹل دور نے زندگی کے ہر شعبے کی طرح تعلیم اور مطالعہ کو بھی گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ ٹیکنالوجی کی بدولت اب کتابیں پڑھنے کے بجائے سنی جاسکتی ہیں، جس سے وقت کی بچت ممکن ہوئی ہے، لیکن کتابوں کا روایتی مطالعہ اب بھی شخصیت سازی اور فکری بالیدگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ مطالعہ نہ صرف شعور کو جلا بخشتا ہے، بلکہ نوجوانوں کو فضول مشاغل سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کا مثبت ودانشمندانہ استعمال فرد، خاندان اور معاشرے پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے، جبکہ غیر محتاط استعمال خاندانی اقدار، صحت، نینداور سماجی سرگرمیوں کو متاثر کرتا ہے۔ ڈیجیٹل میڈیا نے صحافت، تعلیم اور معلومات کی ترسیل کو آسان بنا دیا ہے اور خبریں تحریری، سمعی اور بصری صورت میں فوری طور پر لوگوں تک پہنچ رہی ہیں۔

آج پاکستان کی تقریباً تمام لائبریریوں میں مواد کو ڈیجیٹل شکل دے دی گئی ہے، تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور غیر تعلیمی نصاب آسانی سے دستیاب ہوسکے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن اپنے نیشنل ڈیجیٹل لائبریری پروگرام کے تحت طلبہ کو علمی جرائد کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک کتابوں تک رسائی فراہم کر رہا ہے۔ اس لائبریری میں پچھتر ہزار سے زائد کتابیں، جرائد اور مضامین موجود ہیں۔

اسی طرح انفارمیشن ٹیکنالوجی کی وزارت سائبر لائبریری منصوبے پر کام کر رہی ہے، جس کا مقصد قومی اور مقامی زبانوں میں انٹرنیٹ پر مواد فراہم کرنا ہے۔ اس لائبریری میں مذہب، ادب، تاریخ اور سائنسی موضوعات سے متعلق کتب شامل ہیں۔

یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کو ہائیر ایجوکیشن کمیشن میں تبدیل کرنے کا ایک مقصد یہ تھا کہ پاکستان میں تحقیق کے رجحان کو فروغ دیا جائے۔ اسی مقصد کے تحت ہائیر ایجوکیشن کمیشن نے کئی ایسے اقدامات کیے، جن

سے اہلِ علم کو اپنے تحقیقی مقالے شائع کرنے کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

گزشتہ ایک دہائی کے دوران تحقیقی مواد اور ریسرچ پیپرز کی اشاعت میں واضح اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ البتہ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ اس تحقیقی مواد کا معیار کس حد تک بہتر ہے۔

ہائر ایجوکیشن کمیشن کے نیشنل ڈیجیٹل لائبریری پروگرام نے پاکستان میں تحقیقی ماحول کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس پروگرام کے ذریعے سرکاری اور نجی شعبے کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے وابستہ محققین کے لیے مہنگے آن لائن جرائد اور تحقیقی ڈیٹا بیس تک رسائی آسان ہوئی۔ پنجاب ہائر ایجوکیشن کمیشن کے تحت اس سلسلے میں پنجاب ڈیجیٹل لائبریری پراجیکٹ پر کام جاری ہے، جو اس شعبے میں موجود کمی کو دور کرے گا۔

ڈیجیٹل لائبریری کے سلسلے میں ایک اور اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں اپنا تحقیقی مواد خود تیار کرنے اور محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے محققین اپنی تحقیق بین الاقوامی جرائد میں شائع کر رہے ہیں، جبکہ ان میں زیادہ تر مقامی مسائل پر بحث کی گئی ہے اور اس مواد تک رسائی محدود ہے، کیونکہ مکمل رسائی کے لیے ان جرائد کے لیے معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

اس وقت پاکستان میں سرکاری اور نجی شعبے میں کی جانے والی تحقیق تک رسائی ایک بہت اہم ضرورت ہے۔ اس تحقیقی مواد کو جلد از جلد ڈیجیٹل شکل میں محفوظ کر کے محققین تک پہنچانا ضروری ہے۔ پاکستان میں نادر تاریخی دستاویزات، ہاتھ سے لکھی گئی تحریریں اور دیگر قیمتی مواد موجود ہے، جنہیں ڈیجیٹلائز کر کے علمی استفادہ کے لیے دستیاب کرنا چاہیے۔

ڈیجیٹل کتب خانے بعض وجوہ سے روایتی کتب خانوں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند ہیں، کیونکہ روایتی کتب خانوں میں ذخیرہ کرنے کی گنجائش محدود ہوتی ہے، جبکہ ڈیجیٹل کتب خانوں میں یہ گنجائش کہیں زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ڈیجیٹل کتب خانوں پر وقت اور خرچ بھی کم لگتا ہے، معلومات کی رسائی منظم انداز میں ہوتی ہے، اور یہ ہر وقت دستیاب رہتے ہیں۔

تاہم، جہاں ڈیجیٹل لائبریری کے فائدے ہیں، وہاں کچھ مسائل بھی موجود ہیں، جیسے کاپی رائٹ کا معاملہ۔ بعض اوقات ایک مصنف کا کام بغیر اجازت کسی اور کے نام کے ساتھ منسلک کر دیا جاتا ہے، جس سے حقوق متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ڈیجیٹل کتب خانے روایتی کتب خانوں کی طرح مطالعے کا ماحول فراہم نہیں کر پاتے، اور اگر انٹرنیٹ تک رسائی نہ ہو تو قارئین کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وغیرہ۔

ان سب کے باوجود، لائبریریوں کا ڈیجیٹیلائز ہونا آنے والی نسل کے لیے خوش آئند ہے۔ قائد

اعظم لائبریری میں بھی ڈیجیٹل لائبریری کی سہولت موجود ہے، جہاں ۸۰ کمپیوٹرز پر لائبریری کی ۱۶ ہزار کمپیوٹرائزڈ کتابیں آن لائن بآسانی دستیاب ہیں۔

ڈیجیٹل لائبریریوں کا تعلیم کے فروغ میں کردار

کسی بھی شعبے میں تحقیق، پہلے سے دستیاب معلومات تک رسائی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔ اعلیٰ درجے کا تحقیقی مواد مختلف جرنلز میں شائع ہوتا ہے اور یہ بین الاقوامی اشاعتی اداروں کی ڈیٹا بیس سے خریدا بھی جا سکتا ہے۔ کسی فرد یا ادارے کو اپنا تحقیقی کام جاری رکھنے کے لیے تازہ ترین رجحانات، تخلیقات اور تحقیق تک فوری رسائی کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ اپنا کام بغیر کسی خلل کے جاری رکھ سکے اور اس کی یکسوئی متاثر نہ ہو۔

ڈیجیٹل لائبریری ایسی لائبریری ہوتی ہے، جس میں ڈیجیٹل فارمیٹ میں مواد محفوظ کیا جاتا ہے اور کمپیوٹر، لیپ ٹاپ یا موبائل کے ذریعہ اس تک رسائی ہوتی ہے۔ اس مواد کو مقامی طور پر ذخیرہ کیا جا سکتا ہے اور کہیں سے بھی اس تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ پاکستان میں تعلیم کے لیے مختص بجٹ عموماً ناکافی ہوتا ہے۔

خاص طور پر جب ہم اعلیٰ تعلیم کے شعبے کی جانب نظر دوڑاتے ہیں تو یہ حقیقت اور بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ اس ضمن میں رکھی جانے والی رقم اور بھی کم ہے، جب کہ لائبریری ترجیحات میں شامل نہیں۔ کچھ تعلیمی اداروں نے ڈیجیٹل لائبریریوں میں سرمایہ کاری کی ہے، تاہم یہ رجحان تمام طبقات میں ابھی اپنی جڑیں مضبوط نہیں کرسکا۔

ایچ ای سی کے نیشنل ڈیجیٹل لائبریری پروگرام نے پاکستان میں تحقیقی ماحول کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس پروگرام کے ذریعے سرکاری اور نجی شعبے کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے وابستہ محققین کے لیے مہنگے آن لائن جرائد اور تحقیقی ڈیٹا بیس تک رسائی آسان ہوئی ہے۔ ای بک سپورٹ پروگرام محققین کو مختلف مضامین کے اہم مواد اور حوالے کی کتابوں تک رسائی حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

چھوٹی لائبریریاں بھی کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع کرسکتی ہیں، کیونکہ ایک ہارڈ ڈرائیو میں رنگین پی ڈی ایف کی ایک لاکھ ۵۰ ہزار کتابیں اور ان کا کیٹلاگ ڈیٹا رکھا جا سکتا ہے۔ آن لائن کتابیں فراہم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ لائبریریوں کے مالکان دو لاکھ کے قریب الیکٹرانک کتابیں خرید کر انٹرنیٹ پر لا سکتے ہیں۔ بوسٹن پبلک لائبریری اور لائبریری آف کانگریس میں روزانہ سینکڑوں کتابیں کمپیوٹر پر لائی جارہی ہیں۔ اس وقت بھی ۲۰/لاکھ کے قریب ویب سائٹس ایسی ہیں، جو پڑھنے والوں کو مفت کتابیں حاصل کرنے اور پڑھنے کی اجازت دیتی ہیں۔

جنوری ۲۰۰۴ء میں پاکستان میں پہلی ڈیجیٹل لائبریری کا آغاز ہوا۔ اس لائبریری کی مدد سے یونیورسٹیاں اور تحقیقاتی ادارے ۵ ہزار بین الاقوامی جرائد تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔ PERN قومی سطح کا ایک ایسا تعلیمی انٹرنیٹ ہے جو کہ تعلیمی اور تحقیقاتی اداروں کو نا صرف باہم ملا رہا ہے، بلکہ انٹرنیٹ کی مدد سے مشترکہ تحقیقی علم اور وسائل بانٹنے اور فاصلاتی تعلیم فراہم کرنے میں بھی مددگار ہے۔ PERN میں شامل ڈیجیٹل لائبریری میں فراہم کردہ سہولیات میں ۱۱؍سو رسائل اور میگزین کے علاوہ بہت سے مفید لیکچرز شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱-سکندریہ کی لائبریری کی داستان، ص:۱۶۔
۲-سکندریہ کی لائبریری کی داستان، ص:۳۸۔
۳-اردو میں تاریخی لائبریریوں پر مطالعہ ’’کتب خانہ اسکندریہ‘‘
۴-ترکی اردو ویب سائٹ۔
۵-تذكرة الحفاظ للذهبي:۳/ ۱۲۱
۶-وفيات الأعيان: ٦/ ۱۹۲
۷-وفيات الأعيان: ۱/ ۳۳۷

سیرت وکردار زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

مولانا قاری محمد سلمان عثمانی

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی رفیقۂ حیات ہیں، یوں تو آپؓ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں، لیکن نمایاں وصف یہ ہے کہ اپنے مقدس شوہر کی ہر خوشی وغم میں شریک رہنے والی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو بغیر کسی توقف کے ایمان لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر قدم پر بھرپور نصرت فرمائی، تبلیغِ دین کی راہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی جاتی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی آپ کی دلجوئی فرمایا کرتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکینِ قلب کا باعث بنتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ممکن اکرام فرماتیں، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم دور ہو جاتا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وہ پہلی خاتون تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں او آپ کا ساتھ دیا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سختیوں اور پریشانیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی وتشفی دی اور آپ کا ساتھ دیا اور اپنا مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا اور آپ کو جو قدرت اور شہرت حاصل تھی اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح سے مدد کی، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؓ کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ان صفات کے ساتھ آسمان میں چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح ہیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام ومرتبہ اس قدر بلند وبالا تھا کہ خالقِ کائنات نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ ان کو سلام بھیجا اور آپ کو بہت عظیم ثواب کا وعدہ دیا، ایسا عظیم ثواب جو آج تک کسی گزشتہ صحابیؓ کو نہیں ملا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی طرح آسمانی دسترخوان نازل ہوتا تھا، جیسا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور ایک

بہشتی برتن میں بہشت کے کھانے لائے اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ دسترخوان خداوندِ عالم کی طرف سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہے اور ان کو میرا اسلام کہیے اور ان کو خوش خبری دیجیے کہ آپ کے لیے بہشت میں ایسا محل ہے جس میں کوئی شور اور سختی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ سے منسلک ہر رشتہ کا اکرام فرماتیں۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور قحط سالی اور مویشیوں کے ہلاک ہونے کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی، آپ ﷺ نے اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انہوں نے حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ۴۰ بکریاں اور ایک اونٹ تحفتاً پیش کیا۔ (الطبقات الکبریٰ، جلد:۱، صفحہ نمبر: ۹۲)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے صدق و دیانت کا تذکرہ سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ: ''میرا مالِ تجارت لے کر شام جائیں، میرا غلام میسرہ آپ کے ہمراہ ہوگا۔'' اور یہ بھی فرمایا: ''جو معاوضہ میں آپ کے ہم قوموں کو دیتی ہوں، آپ ﷺ کو اس کا دگنا دوں گی۔'' آپ ﷺ نے حامی بھر لی اور بصریٰ (شام) کی جانب روانہ ہوگئے، وہاں پہنچ کر جو سامان ساتھ لے گئے تھے، اسے فروخت کیا اور دوسرا سامان خریدلیا، نیا سامان جو مکہ آیا تھا اس میں بھی بڑا نفع ہوا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آمدنی سے خوش ہوکر جو معاوضہ طے کیا تھا اس کا دگنا ادا کیا۔

جناب نبی کریم ﷺ کی نیک نامی، حسنِ اخلاق اور امانت وصداقت کی شہرت کے چرچے ہونے لگے جو ہوتے ہوتے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچے، چنانچہ واپس آنے کے تقریباً تین ماہ بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، اس وقت ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ آنحضرت ﷺ حضرت ابوطالب اور تمام رؤسائے خاندان، جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر آئے، حضرت ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کا خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم طلائی مہر قرار پایا۔ شادی کی تقریب بعثت سے پندرہ سال پیشتر انجام پذیر ہوئی، یہ پچیس عام الفیل تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ۲۴ سال آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ (سیرۃ خیر الانام ﷺ، ص: ۵۸۳) آغازِ وحی کے وقت سے اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کی حمایت و معاونت کا فیصلہ کرلیا تھا اور وہ نبوت ملنے کی ابتدائی گھڑیوں میں ہی آنحضور ﷺ پر ایمان لے آئی تھیں، سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ آنحضرت ﷺ پر ایمان لائیں۔ قبول

اسلام کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۵ سال تھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قبولِ اسلام سے اسلام کی اشاعت پر بڑا خوشگوار اثر پڑا، ان کے خاندان اور اعزہ واقارب میں سے بہت سے لوگ اسلام لے آئے۔

شعبِ ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد نماز فرض ہونے، یعنی واقعۂ معراج سے قبل ۱۰/ رمضان، ۱۰/ نبوی کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بعمر ۶۵ برس وفات پائی۔ یہ ہجرت سے تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقبرہ معلاہ میں مقامِ حجون میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا، خود قبر میں اُترے، اسی سال آپ رضی اللہ عنہا کے چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی، ان دونوں عزیزوں کی وفات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد صدمہ ہوا، اسی نسبت سے اس سال کو عام الحزن کہا جاتا ہے۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت وثروت تبلیغِ دین واشاعتِ اسلام کے لیے وقف ہوگئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد انہی سے پیدا ہوئی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اکثر یاد کیا کرتے تھے اور اُن کی خدمات کا اعتراف کرکے فرمایا کرتے تھے کہ: ''خدیجہؓ نے اس وقت میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لائی جب لوگوں نے میری تکذیب کی۔ خدیجہؓ نے مجھے اپنے مال ومنال میں شریک کرلیا۔'' حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا میں اتنی خوبیاں تھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر انہیں یاد کرتے رہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا سلام لے کرآتے تھے۔

اللہ عزوجل ہمیں اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

یادِ رفتگان

تواریخِ وفات حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد عمران ولی درویش

استاذِ جامعہ

قاری مفتاح اللہ واصل بحق شد	...	۱۴۴۷ھ
کاملِ زماں بلبلِ چمن جنابِ والا قاری مفتاح اللہ صاحب	...	۱۴۴۷ھ
مادہ غمِ ہجران امام مفتاح اللہ	...	۲۰۲۶ء
مادہ تواریخ ہجرانِ حبیب، محبوب العلماء والطلباء والصلحاء	...	۲۰۲۶ء
لقد قال اللہ القیّم : مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا	...	۲۰۲۶ء
إن الرّب قد قال : حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا	...	۲۰۲۶ء
قد قال المحسن عز و جل : اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ	...	۲۰۲۶ء
وفي كلام المولى : نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ	...	۲۰۲۶ء
وقال رب المشرقين عز و جل : اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا	...	۲۰۲۶ء
قال اللہ جل و علا : وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا	...	۲۰۲۶ء
ہائے تلمیذِ زاہد علامہ بنوری علیہ الرحمہ	...	۲۰۲۶ء

میرے والد گرامی مولانا امین الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

مولوی فضل الرحمٰن
بونیر

والدین جن کے سہارے انسان جیتا ہے، جو اولاد کے لیے سائبان اور اُن کے وجود کا ذریعہ ہوتے ہیں، اُن کے فراق پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑنا عین فطرت ہے۔ غمِ فراق سے کیا کیفیت ہوتی ہے، دل پر کیا گزرتی ہے، ان کیفیات کو بیان کرنا اور اس غم واندوہ کو الفاظ کے ترازو میں تولنا میرے بس کی بات نہیں۔ حضرت سید نفیس شاہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے، کہتے ہیں:

اُٹھا سائبانِ شفقت بڑی تیز دھوپ دیکھی
نہیں دور دور چھاؤں کہاں اپنا سر چھپاؤں

اسی شدت کی وجہ سے تو رب کریم نے اس غم وحزن پر صبر کرنے والوں کے لیے بشارتیں اور خوشخبریاں سنائیں ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ'' لٰہذا ''كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ''، اور ''كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ'' کے پیشِ نظر سنتِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے اور ربِ غنی کے فیصلوں پر راضی ہو کر اس کو راضی اور خوش کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے سکھلائے ہوئے کلمات کے ساتھ مہرباں رب کے فیصلے پر اپنی رضا کا اعلان کریں، اور اسی کی توفیق کے ساتھ ہم یہی کریں گے: ''إن لله ما أخذ ، ولهٗ ما أعطى ، وكل شيء عندهٗ بأجل مسمى، فلانقول إلا ما يُرضِي ربنا، فإنا لله وإنا إليه راجعون.''

ابا جان نے ۴۹ رسال اور ۶ ماہ کی مختصر سی عمر میں بہت کچھ کر دکھایا، ساری زندگی قرآن وسنت کی خدمت اور تعلیم وتعلم میں گزاری، کہیں حفظ وناظرہ قرآن کی تدریس تو کہیں معانی قرآن کی تعلیم تو کہیں مسجد میں امامت۔ ذیل میں ان کے مختصر حالاتِ زندگی ذکر کیے جاتے ہیں۔ والد ماجد ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹۷۵ء میں کراچی میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں قرآن مجید پڑھا، سنِ شعور کو پہنچے تو علومِ نبوت کی تحصیل میں مشغول ہوئے۔ ثانویہ خاصہ تک جامعہ احسن العلوم کراچی میں پڑھتے رہے، اور ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ میں درجہ رابعہ تک تعلیم مکمل کی۔ اس کے بعد محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے چمنستانِ

علم، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن وارد ہوئے، اور دورہ حدیث تک وہیں پڑھتے رہے، ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا متعین کردہ سولہ سالہ نصاب پڑھ کر آپ جامعہ ہی میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، اور سالانہ امتحان دے کر کامیابی حاصل کی۔ اس دوران جن اکابر اساتذہ کرام سے خصوصی تعلق رہا، اور اکثر ذکر بھی کیا کرتے تھے، ان میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عطاء الرحمٰن شہید رحمۃ اللہ علیہ، مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا مفتی امداد اللہ یوسف زئی صاحب دامت برکاتہم شامل ہیں۔ علاوہ ازیں جامعہ عمرؓ گڈاپ ٹاؤن کراچی سے تجوید القرآن، اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے اللسان العربي کورس مکمل کیا۔

رسمی طالب علمی سے فارغ ہوکر وراثتِ نبوی کی سعادت کے حصول کے لیے نشرِ علومِ نبویہ کا عزم کر کے عملی میدان میں وارد ہوئے، اور ۲۰۰۱ء تا ۲۰۱۳ء جمعیت تعلیم القرآن ٹرسٹ میں انچارج اور نگرانِ اساتذہ رہے، پورے خلوص اور دلجمعی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ بعد ازاں ۲۰۱۴ء میں اباجان اقرأ روضۃ الاطفال باتھ آئی لینڈ کراچی میں بحیثیت نگران شعبہ قاعدہ متعین کیے گئے، اور اسی کی بدولت میری چھوٹی ہمشیرہ نے مکمل قرآن پاک حفظ کیا، اور چھوٹے بھائی حماد نے ۱۵ پارے اپنے سینے میں محفوظ کیے، یہاں تک کہ ۲۰۲۰ء میں والد گرامی کو شوگر، بلڈ پریشر اور وجع القلب جیسی مختلف بیماریوں کی صورت میں آزمائشوں اور امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، انھی امراض اور آزمائشوں کی وجہ سے شہر کراچی کو الوداع کہنا پڑا، اور اہل وعیال سمیت اپنے آبائی گاؤں نانسیر ضلع بونیر منتقل ہوئے، مشیتِ باری تعالیٰ سے آپ کو وہاں کی آب وہوا راس آئی، اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔ گاؤں میں اشاعتِ دین کے سلسلے کو جاری رکھا، اور قریبی آبادی کی ایک مسجد میں قاعدہ وناظرہ قرآن، گھر میں چند طلبہ کو تفسیر قرآن مجید کی تعلیم بغیر کسی معاوضے کے دینے لگے، بعد میں اسی مسجد میں بحیثیت امام آپ کا تقرر ہوا، کچھ عرصہ گزرنے پر ایک نجی سکول میں بحیثیت استاذ آپ کی تقرری عمل میں آئی۔

گاؤں میں والد صاحب کی صحت کافی اچھی رہی، یہاں تک کہ ۱۲/دسمبر بروز جمعہ دوپہر کے تقریباً ۱۲ بجے آپ کا داہنا پہلو مفلوج ہوا، مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بخشی کہ ایک ہفتے تک ہسپتال میں اباجان کی تیمارداری اور خدمت کی توفیق عطا فرمائی، یہ ایک ہفتہ کیسے گزرا؟ کچھ نہ پوچھیے، امید وبیم کی کیفیت رہی، وہ پیر نصیر الدین نصیر صاحب کیا خوب کہہ گئے ہیں:

شبِ غم کیسے ترے مبتلا پہ گزری
کبھی آہ بھر کے گرنا کبھی گر کے آہ بھرنا

بہرکیف! اباجان کی حالت آہستہ آہستہ کافی بہتر ہو رہی تھی کہ اچانک ۲۹/ جمادی الاخریٰ

۱۴۴۷ھ،مطابق ۲۰ردسمبر بروز ہفتہ موبائل فون کے ذریعے وہ جانکاہ خبر سنائی دی کہ ابا جان کا انتقال ہوگیا ہے،آہ!!!خبر کیا تھی گویا کوئی خوفناک دھما کہ سماعت سے ٹکرا گیا ہو۔

ابا جان صبر،قناعت اور تواضع کے پیکر تھے، اخلاقِ ذمیمہ جیسے عجب، کبر، جھوٹ اور طمع وبخل سے اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا تھا۔صبر کی صفت اُن میں بہت نمایاں تھی، ہم نے ہر قسم کی تکالیف میں، چاہے وہ جسمانی بیماریاں ہوں، یا بعض لوگوں کے نامناسب اور ناروارویوں سے ذہنی اذیت ہو، ہمیشہ اُن کو صبر وتحمل اور حوصلہ مندی کے دامن کو تھامے پایا۔منجملہ خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ والد ماجد کی زبان اکثر اوقات شکرِ باری تعالیٰ اور ذکر سے معطر رہتی تھی،خود میں نے اور میری بہنوں نے اُن کو یہ کہتے ہوئے سنا: اس چھوٹے سے گھر اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احسانات پر بڑا شکر گزار ہوں، مجھے کسی کے محلات اور بینک بیلنس کی چاہت نہیں ہے۔ اُن کے خصائل حمیدہ سے تو اکثر لوگ واقف تھے، اقرأ روضۃ الاطفال میں تقرری کے لیے انٹرویو لینے والوں کے تأثرات دیکھیے، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ’’موصوف کا ظاہری حلیہ شریعت کے مطابق، ظاہری شخصیت متاثر کن، بارعب، شریف الطبع اور باصلاحیت معلوم ہوتے ہیں، اگر ان کو کوئی ذمہ داری دی گئی، تو اُمید ہے کہ احسن طریقے سے پوری کریں گے، ان شاء اللہ۔‘‘

مزید برآں یہ بات بھی ہمارے لیے خوشی وتسلی کا باعث ہے کہ ابا جان کو حسنِ خاتمہ نصیب ہوا، ایمان کی حالت میں رزقِ حلال کی طلب میں داعیِ اجل کو لبیک کہا، تلاش بسیار کے باوجود کسی کا اُن کے ذمے کوئی جانی یا مالی حق نہ ملا، سب کو ان سے خوش اور ان کے لیے دعائیں کرتے دیکھا، یہی تو حسنِ خاتمہ ہے کہ ایمان کی حالت میں موت آئے، اور حقوق اللہ یا حقوق العباد میں کوئی حق کسی کے ذمے باقی نہ ہو، یہ ضروری نہیں کہ سجدہ میں یا روزہ کی حالت میں موت آئے۔

اپنی اس تحریر کا خاتمہ اس مکتوب کے کچھ حصے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، جو سید الطائفہ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابو ہریرہ صاحب کو ابا جان کے بارے میں اُن کی تقرری کے سلسلے میں لکھی تھی: ’’حاملِ رقعہ مولوی امین الرحمٰن صاحب اچھی استعداد اور اچھے اخلاق کے مالک ہیں، ہماری جامعہ کے فاضل ہیں، اور آپ کے قریب سلطان آباد ہجرت کالونی میں رہائش پذیر ہیں۔‘‘

اور حضرت شہید رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبانِ مبارک سے پڑھا گیا ایک شعر:

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

..... ❀ ..... ❀ ..... ❀ .....

رمضان کے قضا روزوں سے پہلے شوال کے چھ روزے رکھنا

ادارہ

سوال

اگر رمضان کے کچھ روزے چھوٹ گئے ہوں تو کیا شوال کے ۶ /روزے رکھ سکتے ہیں؟ یا پھر پہلے رمضان المبارک کے روزے قضا کرنے پڑیں گے؟

الجواب حامدًا و مصليًا

صورتِ مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ پہلے فوت شدہ روزوں کی قضا کرے، پھر شوال کے روزے رکھے، لیکن اگر پہلے شوال کے روزے رکھے تو یہ بھی جائز ہے۔ شامی میں ہے:

’’(وقضوا ما قدروا بلافدية و ولاء) لأنهٗ على التراخي ولذا جاز التطوع قبلهٗ.

(قوله: جاز التطوع قبلهٗ) ولوكان الوجوب على الفور لكره، لأنهٗ يكون تأخيرًا للواجب عن وقته المضيق.‘‘

(كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، ج:۲، ص:۴۲۳، ط: سعيد)

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 1440-7870 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

شوال کے چھ روزوں میں قضاءِ رمضان اور شوال کے روزے، دونوں کی نیت کرنا

سوال

شوال کے چھ روزوں میں قضا روزہ اور شوال کا روزہ دونوں نیتیں کرنے سے شوال کے روزہ کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

جواب

نفل روزہ الگ ہے اور فرض کی قضا کا روزہ الگ اور مستقل حیثیت رکھتا ہے، روزہ میں نفل کی نیت کرنے سے وہ نفلی روزہ ہوگا اور قضا کی نیت کرنے سے وہ قضا کا روزہ ہوگا، ایک روزہ میں نفل اور قضا دونوں کی نیت نہیں کر سکتے ہیں؛ لہٰذا شوال کے چھ روزوں یا ذی الحجہ، عاشورہ کے روزوں کے ساتھ، قضا روزوں کی ادائیگی کی نیت کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے اگر شوال کے مہینے میں شوال کے چھ روزوں کی نیت کی ہے تو وہ نفلی روزے ہوں گے، قضا کے نہیں ہوں گے، اور اگر ان دنوں میں قضا کی نیت کی ہے تو وہ قضا کے روزے ہوں گے اور اس سے نفلی کا ثواب نہیں ملے گا۔

اگر یہ گمان ہو کہ شوال کے روزے رکھے تو بعد میں قضا روزے رکھنا مشکل ہوگا تو پہلے قضا روزے رکھنے چاہئیں، بصورتِ دیگر شوال میں نفل روزے رکھ لے، اور پھر قضا کر لے۔

''البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري (2/ 299)'':

''ولو نوى قضاء رمضان والتطوع كان عن القضاء في قول أبي يوسفؒ، خلافًا لمحمدؒ، فإن عندهٗ يصير شارعًا في التطوع، بخلاف الصلاة، فإنهٗ إذا نوى التطوع والفرض لايصير شارعًا في الصلاة أصلًا عندهٗ، ولو نوى قضاء رمضان وكفارة الظهار كان عن القضاء استحسانًا، وفي القياس يكون تطوعًا، وهو قول محمدؒ، كذا في الفتاوى الظهيرية.''

''الفتاوى الهندية (1/ 196)'':

''ومتى نوى شيئين مختلفين متساويين في الوكادة والفريضة، ولا رجحان لأحدهما على الآخر بطلا، ومتى ترجح أحدهما على الآخر ثبت الراجح،

كذا في محيط السرخسي. فإذا نوى عن قضاء رمضان والنذر كان عن قضاء رمضان استحسانًا، وإن نوى النذر المعين والتطوع ليلًا أو نهارًا أو نوى النذر المعين، وكفارة من الليل يقع عن النذر المعين بالإجماع، كذا في السراج الوهاج. ولو نوى قضاء رمضان، وكفارة الظهار كان عن القضاء استحسانًا، كذا في فتاوى قاضي خان. وإذا نوى قضاء بعض رمضان، والتطوع يقع عن رمضان في قول أبي يوسف – رحمه الله تعالٰى – وهو رواية عن أبي حنيفة – رحمه الله تعالٰى – كذا في الذخيرة.''

''تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشلبي (٣/ ١٣)'':

''ولو نوى صوم القضاء والنفل أو الزكاة والتطوع أو الحج المنذور والتطوع يكون تطوعًا عند محمدؒ؛ لأنهما بطلتا بالتعارض، فبقي مطلق النية فصار نفلًا، وعند أبي يوسفؒ يقع عن الأقوى ترجيحاً لهٗ عند التعارض، وهو الفرض أو الواجب.''

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144110200792 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ٹیوبولر احرام پہننے کا حکم

سوال

ایک خاص قسم کا احرام آج کل رائج ہو رہا ہے، جسے ''ٹیوبولر احرام'' (Tubular Ihram) کہا جاتا ہے، اس میں نیچے پہننے والی لنگی ایک گول (tube نما) کپڑے کی شکل میں ہوتی ہے، یعنی اس کے دونوں کنارے آپس میں ملے ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ سلا ہوا محسوس ہوتا ہے، لیکن حقیقت میں یہ عام سلے ہوئے کپڑوں (جیسے شلوار یا پاجامہ) کی طرح نہیں ہوتا، بلکہ کمپنی کی جانب سے اُسے اِسی ساخت میں تیار کیا جاتا ہے۔ کیا یہ احرام پہننا جائز ہے؟ نیز بعض لوگ اس لنگی کو جسم کا ناف سے اوپر والا حصہ ڈھکنے لیے یعنی چادر کی جگہ پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ برائے کرم راہ نمائی فرمائیں۔

جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں احرام کے لیے کھلی ہوئی چادریں استعمال کی جاتی تھیں، جب کہ سلا ہوا یا بدن کے مطابق تیار کردہ لباس استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ اس قسم کے لباس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی تھی۔

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں کہ: ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ: مُحرِم (حج یا عمرہ کا احرام باندھنے والا) کیا کپڑے پہن سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: (حالتِ احرام میں) نہ تو کرتا قمیص پہنو اور نہ سر پر عمامہ اور نہ شلوار پاجامہ پہنو اور نہ سر پوش پہنو اور نہ پاؤں میں موزے پہنو، سوائے اس کے کہ کسی آدمی کے پاس پہننے کے لیے چپل جوتا نہ ہو تو وہ (مجبوراً پاؤں کی حفاظت کے لیے) موزے پہن لے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ کے جوتا سا بنالے (آگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حالت احرام میں) ایسا بھی کوئی کپڑا نہ پہنو جس کو زعفران یا ورس لگا ہو۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

محدثین فرماتے ہیں کہ: اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کپڑوں کا ذکر فرمایا جو اُس زمانے میں رائج تھے۔ اصل ممانعت اُن کپڑوں سے ہے جو بدن کے مطابق سلے ہوں۔ اس لیے یہی حکم ہر اُس لباس پر لاگو ہوتا ہے جو بعد کے زمانوں میں یا مختلف قوموں میں انہی مقاصد کے لیے استعمال ہو، جن مقاصد کے لیے قمیص، شلوار یا عمامہ استعمال کیے جاتے تھے۔

لہٰذا احرام کی لنگی ایسی ہونی چاہیے کہ اس کے دونوں کنارے (پاٹ) الگ الگ ہوں، یعنی وہ عام چادر یا کپڑے کی شکل میں ہو، جسے لپیٹا جاتا ہے، اس لیے بلاضرورت ایسی لنگی استعمال نہیں کرنی چاہیے جس کے دونوں پاٹ پہلے سے جُڑے ہوئے ہوں۔ تاہم اگر کسی کو احرام کی عام چادر پہننے میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو، تو اس کے لیے مذکورہ ٹیوب نما احرام کی لنگی (جو کہ جسم یا اعضاء کی ساخت کے مطابق [جیسے شلوار] سلی ہوئی نہیں ہے) استعمال کی گنجائش ہے، اس صورت میں کوئی دم لازم نہیں آئے گا، البتہ جسم کا اوپر والا حصہ ڈھکنے کے لیے اس ٹیوب نما لنگی کا استعمال درست نہیں۔

''صحیح مسلم'' میں ہے:

''عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رجلا سأل رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما يلبس المحرم من الثياب؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

لا تلبسوا القمص، ولا العمائم، ولا السراويلات، ولا البرانس، ولا الخفاف، إلا أحد لا يجد النعلين، فليلبس الخفين، وليقطعهما أسفل من الكعبين، ولا تلبسوا من الثياب شيئًا مسه الزعفران ولا الورس.'' (كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج، أو عمرة، وما لا يباح، وبيان تحريم الطيب عليه، ج:٤، ص:٢، ط:دار الطباعة العامرة)

اس حدیث کے تحت ''شرح النووي على مسلم'' میں ہے:

''وأجمع العلماء على أنه لا يجوز للمحرم لبس شيء من هٰذه المذكورات وأنه نبه بالقميص والسراويل على جميع ما في معناهما وهو ما كان محيطا أو مخيطا معمولا على قدر البدن أو قدر عضو منه كالجوشن والتبان والقفاز وغيرها ونبه صلى الله عليه وسلم بالعمائم والبرانس على كل ساتر للرأس مخيطا كان أو غيره حتى العصابة، فإنها حرام، فإن احتاج إليها لشجة أو صداع أو غيرهما شدها ولزمته الفدية ونبه صلى الله عليه وسلم بالخفاف على كل ساتر للرجل من مداس وجمجم وجورب وغيرها وهٰذا كلهٗ حكم الرجال.'' (كتاب الحج، باب ما يباح للمحرم بحج، أو عمرة، وما لا يباح، وبيان تحريم الطيب عليه، ج:٨، ص:٧٣، ط:دار إحياء التراث العربي)

''امداد الفتاویٰ'' میں ہے:

''سوال: احرام باندھنے میں سیاہ کپڑا یا گیرو سے رنگا ہوا کپڑا یا کسی دوسری چیز سے رنگا ہوا پہننا جس میں کوئی خوشبو نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟

دوسرے کوئی ازار یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے اسی حالت میں احرام میں تو اس واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب: في الدر المختار، باب الإحرام: (ولبس إزار)... (ورداء) ...(جديدين أو غسيلين طاهرين) أبيضين ككفن الكفاية، وهٰذا بيان السنة الخ.

في رد المحتار: (قوله: وهٰذا) أي لبس الإزار والرداء على هٰذه الصفة بيان للسنة وإلا فساتر العورة كاف فيجوز في ثوب واحد وأكثر من ثوبين وفي أسودين أو قطع خرق مخيطة أي المسماة مرقعة والأفضل أن لا يكون فيها

خياطة لباب.‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ سفید ہونا جامۂ احرام کا مستحب ہے، ورنہ سیاہ وغیرہ بھی جس میں خوشبو نہ ہو جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو، لیکن اگر دونوں پاٹوں کے جوڑنے کو سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے۔‘‘ (باب الاحرام، ج:۲،ص:۱۹۵، ط: مکتبہ دارالعلوم، کراچی)

’’فتاویٰ رحیمیہ‘‘ میں ہے:

’’سوال: احرام کی چادر لنگی کی طرح سلی ہوئی ہو تو اس کے استعمال کی گنجائش ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں کو کھلی چادر بطورِ لنگی استعمال کرنے کی عادت نہیں ہوتی تو ستر کھلنے کا اندیشہ ہوتا ہے، خاص کر سونے کی حالت میں، تو کیا یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟

ج: ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو احرام کی چادر سی لینے کی گنجائش ہے، بلاضرورت سینا مکروہ ہے۔

’’غنية الناسك‘‘ میں ہے:

’’عقد الإزار والرداء بأن يربط طرف أحدهما بطرف الآخر و أن يخلله بخلال أو يشدهٔ بحبل ونحوه.‘‘ (غنية الناسك، ص:٤٧، فصل في مكروهات الإحرام ومحظوراته التي لأجزاء فيها سوى الكراهة) (احرام سے متعلق احکامات، ج:۸،ص:۵۷، ط: دارالاشاعت)

’’معلم الحجاج‘‘ میں ہے:

مسئلہ: تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے سترِ عورت کی خاطر حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا۔

مسئلہ: چادر میں گرہ دے کر گردن پر باندھنا، چادر اور تہبند میں گرہ لگانا یا سوئی اور پن وغیرہ کا لگانا، تاگے یا رسی سے باندھنا مکروہ ہے۔‘‘ (مکروہاتِ احرام، ص:۱۲۰، ط: مکتبہ تھانوی)‘‘

فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر:144701101333 دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

نَقدُ و نَظَر

ادارہ

سیرتِ خاتم الانبیاء [جدید اسلوب میں] (اسباق کی تقسیم اور مشقوں کے ساتھ)

مؤلف: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی ۔ ترتیب جدید: مولانا محمد ارسل کوہاٹی (استاذ ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ)۔ صفحات: ۲۷۵۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مکتبۃ السنان، کوہاٹ K.P.K۔ رابطہ نمبر: 0335-5743887

رسول اللہ کی سیرت و حیات مسلمانوں کے لیے اُسوہ اور نمونہ ہے۔ اس موضوع پر بلاشبہ لاکھوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ وہ موضوع ہے جس پر دنیا بھر میں سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ زیرِ تبصرہ کتاب ’’سیرتِ خاتم الانبیاء ‘‘ ایک مختصر کتاب ہے، مگر آپ کی جامع سوانح عمری ہے، اس کے مؤلف سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی ہیں جنہوں نے تقریباً ایک صدی پہلے یہ کتاب تالیف کی تھی۔ اُس وقت کے اکابر میں سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی ودیگر اکابر نے کتاب کی افادیت واہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے نصاب میں داخل کرنے کی تجویز دی تھی۔ یہ کتاب ہمارے ہاں معروف اور متداول ہے، مختلف مدارس کے نصاب میں شامل رہی ہے۔ مختصر وقت میں سیرت کی مختصر کتاب کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ کتاب اولین انتخاب ہوسکتی ہے۔ چونکہ یہ کتاب کئی مدارس میں درساً پڑھائی جاتی ہے، اس کی درسی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے جامعہ بنوری ٹاؤن کے فاضل جناب مولانا محمد ارسل کوہاٹی صاحب نے اس کتاب کو ترتیب جدید کا جامہ پہنا کر نصابی کتاب کی شکل دی ہے۔ ترتیبِ جدید میں جن امور کا خیال رکھا گیا ہے، ان سے متعلق مُرتب ’’عرضِ مرتب‘‘ کے ذیل میں ’’ترتیب جدید‘‘ کے عنوان سے لکھتے ہیں:

’’سب سے پہلے پوری کتاب کو ۲۶/اسباق میں تقسیم کیا گیا ہے۔
ہر سبق کے آخر میں اس سبق میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی دیے گئے ہیں۔
ہر سبق کے آخر میں چار مشقیں دی گئی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ اس سبق کی اہم باتوں کا ان میں اِحاطہ ہوجائے، تاکہ طالب علم کو وہ باتیں اَز بر ہوجائیں۔ پہلی مشق میں ہر جملے کے آخر میں چار الفاظ دیے گئے ہیں، ان میں سے درست لفظ کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کرنی ہے۔
دوسری مشق میں بعض جملوں میں ردو بدل کی گئی ہے، تاکہ طالب علم صحیح اور غلط کی پہچان کر کے درست جواب یاد کرلے۔
تیسری مشق میں کالم الف کے جملوں کے بقیہ حصوں کی کالم ب میں ترتیب دی گئی ہے، تاکہ طالب علم خود درست جملہ بنا سکے۔
چوتھی مشق میں چند سوالات دیے گئے ہیں، جن کو حل کر کے طلباء نے یاد کرنا ہوگا۔
اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید ہے کہ مبتدی طلباء کو اس ترتیب پر کتاب پڑھانے اور حل کرانے سے انہیں سیرت کی اہم اہم باتیں یاد ہوجائیں گی۔‘‘

سیرتِ طیبہ سے مناسبت پیدا کرنے کے لیے بچوں کو اس ترتیب جدید سے کتاب پڑھانا ان شاء اللہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف اور مرتب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے اور مسلمانوں کو اس کتاب سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین

کتاب کا کاغذ ہلکا اور جلد کا گتا کافی کمزور ہے۔ اُمید ہے اگلے ایڈیشن میں اس کتاب کے شایانِ شان کاغذ اور جلدی بندی کا اہتمام کیا جائے گا۔

شعورِ دین

تالیف: مولانا عبدالمنان معاویہ۔ صفحات: ۲۵۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: دارالتصنیف، الٰہ آباد، تحصیل لیاقت پور، ضلع رحیم یار خان۔ رابطہ نمبر: 0304-2070754

زیرِ تبصرہ کتاب ’’شعورِ دین‘‘ اسلامی، اصلاحی اور تاریخی موضوعات پر پندرہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ مؤلف نے ان مضامین کے تحریر کرنے کا مقصد خود یوں بیان کیا ہے:

’’عرض یہ ہے کہ بڑے ہی سادہ لفظوں میں ہم نے اپنا مدعا آپ کے سامنے رکھ دیا ہے اور ان مضامین کو تحریر کرنے کا محرک صرف اور صرف یہ حدیث مبارکہ: ’’عن تميم الداريؓ أن النبي صلى الله عليه

وسلم قال: الدين النصيحة. قلنا: لمن؟ قال: لله ولكتابه ولرسوله ولأئمة المسلمين وعامتهم.'' ''سیدنا تمیم الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین خیرخواہی کا نام ہے، ہم نے پوچھا: کس کی خیرخواہی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین کی، اور عام مسلمانوں کی۔'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث:۱۹۶) بس اسی حدیث مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے یہ علمی و اصلاحی مضامین ترتیب دیے ہیں، تاکہ اس مجموعہ کے قاری کو دینِ اسلام کو سمجھنے اور اس سمجھ پر عمل کرنے میں آسانی ہو اور اگر اس کتاب کے قاری نے دین پر عمل اس کتاب کی وجہ سے کرلیا تو ہم اپنی کاوش میں کامیاب ہیں۔''

کتاب کے بنیادی پندرہ مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

۱-دعوتِ دین، طریقہ اور تقاضے۔ ۲-وحدتِ اُمت کا اسلامی نظریہ۔ ۳-مواخاتِ اسلامی کا فلسفہ وحکمت۔ ۴-ارکانِ اسلام، اہمیت وفضیلت۔ ۵-ایمان کی حقیقت۔ ۶-اسلام کا نظامِ زکوٰۃ۔ ۷-صومِ رمضان کا مقصد اور فرضیت۔ ۸- اسلام میں علم کی اہمیت۔ ۹-اسلام کا معاشرتی نظام۔ ۱۰-اسلام میں رزقِ حلال کی اہمیت وفضیلت۔ ۱۱-والدین کے حقوق، سورۂ بنی اسرائیل کے تناظر میں۔ ۱۲-اولاد کی تربیت، سورۂ لقمان کے تناظر میں۔ ۱۳-اصلاحِ نفس انسانی، سورۃ الحجرات کی روشنی میں۔ ۱۴-دورِ حاضر کی معاشرتی برائیوں کا سدِ باب، ''سورۃ العصر'' کے تناظر میں۔ ۱۵-اپنا حصار کیجیے!۔

کتاب پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف نے مضامین کا مواد جمع کرنے میں کافی محنت کی ہے اور تمام آیات و احادیث اور واقعات باحوالہ نقل کیے ہیں۔ چونکہ مقصد دعوت وتبلیغ ہے، اس لیے انداز ناصحانہ اور مشفقانہ ہے۔ تمام افکار اور نتائج مدلل ہیں، دلائلِ نقلیہ اور عقلیہ سے خوب کام لیا گیا ہے۔ فتنوں سے بھرپور اور پرخطر دور میں یہ کتاب عقائد اور اعمال سے متعلق قاری کی بہترین دینی رہنمائی کرتی اور دینی شعور عطا کرتی ہے۔ بعض فروعی مسائل سے متعلق بھی کتاب میں عمدہ ابحاث ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کے اخلاص اور دردِ دل کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو اصلاح اور دینی راہنمائی کا ذریعہ بنائے۔